ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۷ر دسمبر ۱۹۹۲ء

☆ اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور علامہ اقبال
☆ مسلم لیگ قومی ضرورت ہے لیکن وہ ہے کہاں!
☆ یہاں درودیوار پر عروج و زوال کی داستان رقم ہے

بوسنیا ہرزیگوینا کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے' کون اخبار بین ہوگا جسے تفصیلات کا علم نہیں اور خود ہم بھی اس وحشیانہ ظلم و ستم کی شرح کرسکتے ہیں جو متمدن اور روشن خیال عیسائیوں نے ان بے دست و پا مسلمانوں پر روا رکھا ہوا ہے لیکن اس کا بیان اپنی بے بسی اور بے حسی کا نوحہ ہی تو ہوگا!۔ یہ مسلمان سرب عیسائیوں سے علاقائی' لسانی' نسلی اور تہذیبی یکسانیت کا مضبوط رشتہ رکھتے ہیں اور گویا ان کے چچیرے ہیں لیکن محض ایک کلمے سے ناقابل شکست تعلق نے مسلمانوں کو اپنے ہم وطن عیسائی بھائیوں کے لئے بدترین دشمن بنا کر رکھ دیا ہے جنہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کردینے کے لئے وہ کسی بھی حد کو پھلانگنے پر آمادہ ہیں۔ یہ وہی کلمہ ہے جس کا ہم شب و روز ورد کرتے ہیں لیکن نہ اس کا کوئی اثر خود ہم پر ہوتا ہے نہ کسی غیر کو اس پر کسی طرح کا اعتراض ہے اور شاید اس کلمے کے معنی سربیا کے مسلمانوں کو ہی معلوم ہیں جو جان و مال' عزت و آبرو اور اپنی املاک اس پر نچھاور کررہے ہیں۔

بوسنیا کے مسلمانوں نے بھی اب ہتھیار تو اٹھالئے اور مرنے سے پہلے مارنے پر تل گئے ہیں لیکن امت مسلمہ نے انہیں یونہی بے یارو مددگار چھوڑے رکھا تو وہ کتنے دن پورے یورپ کی متعصب عیسائیت کا مقابلہ کرپائیں گے۔ دنیا کے سوا ارب مسلمان اور ۵۶ آزاد و خودمختار مسلم ممالک جو بحیثیت مجموعی لامحدود وسائل سے مالا مال ہیں' یونہی تماشائی بنے رہے' زبانی ہمدردی اور قیل و قال پر ہی تکیہ کیا تو بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ تو جو ہوگا وہ کوئی نیا ماجرا نہیں' ہسپانیہ میں پانچ سو سال پہلے ہو گزرا ہے البتہ اپنی اپنی جغرافیائی حدود میں خود کو محفوظ و مامون سمجھنے والے مسلمان بھی کسی خوش فہمی کا شکار نہ رہیں۔ بھیڑیئے کسی گلے کو یک بارگی گھیرے میں نہیں لیا کرتے' باری باری ایک ایک بھیڑ کو دبوچ کر پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں۔ ہم نے بحیثیت امت کہیں اسی انجام کو اپنا مقصد بنانے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا؟۔

قیمت ۵ر روپے

جنوبی پنجاب کے درج ذیل شہروں میں

داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے ہفتہ وار درس قرآن مجید کے پروگرام بذریعہ ویڈیو کیسٹ باقاعدگی سے منعقد ہو رہے ہیں۔ ان اجتماعات میں شرکت کی عام دعوت ہے۔ معاونین تحریک خلافت خصوصاً" ان اجتماعات میں باقاعدہ شرکت کا اہتمام کریں۔

مقام اجتماع	یوم	وقت
ملتان		
(i) ۲۵ر آفیسرز کالونی نزد چونگی نمبر ۹ ملتان	ہفتہ	بعد نماز مغرب
(ii) ۴۔ گلستان کالونی پرانا بہاولپور روڈ ملتان	پیر	بعد نماز مغرب
(iii) دفتر احمد کنکریٹ بسم اللہ چوک معصوم شاہ روڈ ملتان	اتوار	بعد نماز عشاء
شجاع آباد		
رہائش گاہ سید عاشق حسین چک سردار پور شجاع آباد	جمعہ	۳ بجے سہ پہر
وہاڑی		
الہدیٰ لائبریری ۱۸۔ ای کارخانہ بازار وہاڑی	اتوار	بعد نماز مغرب
صادق آباد		
نیشنل آئس فیکٹری صادق آباد	جمعہ	بعد نماز مغرب

المعلن: ناظم تحریک خلافت پاکستان۔ خلافت بلڈنگ ۴۔ اے مزنگ روڈ لاہور

جلسہ ہائے خلافت

۳ر دسمبر بروز جمعرات

افغان پارک سنت نگر لاہور

☆ ☆ ☆

۱۱ر دسمبر بروز جمعہ

بمقام ڈسکہ

خصوصی خطاب

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۴۴
۷ر دسمبر ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: ۵ر روپے

سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) ۲۰۰ر روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۲۰	امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۵	” ”
افریقہ، ایشیا، یورپ	۲۰	” ”
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۴	” ”

افتتاحیہ

... اور اب بلٹ ٹرین

موٹر وے کے عظیم الجثہ منصوبے کے آغاز کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے ایک عام جلسے میں جس طرح "بلٹ ٹرین" کا ذکر کیا' اس سے اندازہ یہی ہوا تھا کہ مجلس کو گرمانے کے لئے میاں صاحب نے ایک بڑہانک دی ہے لیکن انہی دنوں اخباری اطلاعات سے پتہ چلا کہ اس منصوبہ پر بھی بڑی سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے جس کی لاگت کا ابتدائی تخمینہ ۲۷ر ارب روپے لگایا گیا ہے اور ایک فرانسیسی کمپنی سے بلٹ ٹرین کے ٹھیکے پر گفت و شنید بھی جاری ہے۔ گویا کاٹھ کی یہ ہنڈیا بھی چولھے پر چڑھنے ہی والی ہے۔

موٹر وے کے حسن و قبح پر کیا کچھ نہیں کہا اور لکھا گیا' ہم نے بھی عرض کیا تھا کہ اچھی سڑکیں تو یقیناً ملک کی ضرورت ہیں لیکن موٹر وے کی بہت گراں عیاشی کے ہم بحالات موجودہ متحمل نہیں ہیں اور یہ بھی کہ موٹر وے جیسی چیزیں خود اپنی ذات میں معجز نما نہیں ہوتیں بلکہ ایک ترقی یافتہ معاشرے کی عمومی حالت اور مجموعی مزاج کا حصہ بن کر کار آمد ہوتی ہیں۔ ہم نے پاکستان میں قوم کے شعور اور تعلیمی سطح کو بلند کرنے اور اخلاق و کردار کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے تو کچھ کیا ہی نہیں' موٹر وے اور بلٹ ٹرین جیسے منصوبوں میں اپنے پورے وسائل جھونک ڈالنے کا فیصلہ البتہ کر لیا ہے۔ اس پر یہ کہاوت تو صادق آتی ہی ہے کہ گھر میں نہیں دانے' اماں چلیں بھنانے' اصل سوال یہ ہے کہ کیا سفر اور حمل و نقل کو تیز رفتار اور پر آسائش لیکن گراں تر بنا دینا ہی ہمارے سب قومی مسائل کا حل ہے؟

ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے اصل مسائل کسی دوسری نوع کے ہیں جن کی طرف حکومت نے کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ قوم بے مقصدی کے صحرا میں بھٹک رہی ہے اور سب سے مہلک روگ جو اسے لگ گیا' یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ اسلام کے مطالبات پورے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور جس وطن کو اس نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اس میں سب کچھ ہے' نہیں تو اسلام ہی نہیں ہے۔ ہماری جسارت تو اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ نفاذ شریعت ایکٹ میں دھڑلے سے سود جیسی خباثت کو تحفظ دیتے ہیں اور پھر پوری ڈھٹائی سے کہتے بھی یہ ہیں کہ سودی مالیاتی نظام کا ایسا کوئی متبادل موجود ہی نہیں جو اسلام کے معیار پر پورا اترتا ہو لہٰذا ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ جاری رکھنے پر مجبور ہیں اور عملاً ہماری اسلامی جمہوری حکومت کا ہر قدم سود کے فروغ کی طرف اٹھ رہا ہے' وہ موٹر وے اور بلٹ ٹرین جیسے منصوبوں کے لئے رقوم کا حصول ہو یا کوئی روزگار سکیم اور پبلک ٹرانسپورٹ سکیم۔ بحیثیت قوم ہم نے جو رویہ اختیار کیا ہے' سود کا معاملہ اس کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے اور یہ وہی رویہ ہے جس پر اللہ کا غضب بری طرح بھڑکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لرزا دینے والے عذاب کی وعید دی ہے جس کی سب شکلیں ہم پر نازل ہو چکی ہیں۔ اس عذاب کی بدترین شکل نص قرآنی کے مطابق یہ ہے کہ پھر دلوں میں نفاق اس طرح جڑ پکڑ لے کہ ابد تک اسے کھرچا نہ جا سکے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم میں سے اکثر انفرادی طور پر بھی منافقت میں مبتلا ہیں اور اجتماعی کیفیت تو یہ ہے کہ قوم کے مزاج اور کردار میں نفاق یوں رچ بس گیا ہے جیسے پانی میں نمی۔ اس صورت حال کی اصلاح کی بھی کوئی شکل نظر نہیں آتی کہ ہم نے اسے مرض جانا ہی نہیں۔ مرض سمجھیں تو علاج کا بھی سوچیں۔

وزیر اعظم نواز شریف موٹر وے بنا دیں' بلٹ ٹرین چلا دیں اور دودھ اور شہد کی نہریں بھی کیوں نہ بہا دیں' اس قوم کے مقدر کا ستارا گردش میں ہی رہے گا تا آنکہ ہم اپنے قول و عمل میں یکسانیت پیدا کریں' اسلام کے دعوے کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اپنی پوری زندگی اللہ کی اطاعت میں دے دیں اور بحیثیت قوم اسی فرض کی ادائیگی کے لئے کمر ہمت کس لیں جو خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے ناتے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ OO

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیت ۱۴۳)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور اسی طرح ہم نے بنایا تمہیں ایک معتدل امت تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے'

(تحویل قبلہ کا حکم در اصل اس بات کی علامت تھا کہ پچھلی امت یعنی بنی اسرائیل کو ان بد اعمالیوں کے سبب جن کا تفصیلی ذکر پچھلے دس رکوعوں میں گزر چکا ہے' معزول کر کے اب ایک نئی امت کی تشکیل کی جارہی ہے۔ چنانچہ ساتھ ہی اس نئی امت کی غرض تاسیس بھی بیان کر دی گئی کہ یہ امت جو اس اعتبار سے ایک معتدل اور بہترین امت ہے کہ یہ ٹھیک ٹھیک دین کی اس بیچ کی شاہراہ پر قائم ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لئے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے کھولی ہے' اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ یہ رہتی دنیا تک لوگوں کے سامنے اس دین کی گواہی دے جس کی گواہی رسولؐ نے اپنے قول اور عمل سے اس پر قائم کی ہے۔ پھر یہی امت روز محشر بھی اللہ کی عدالت میں اس بات کی گواہی دے گی کہ لوگوں تک اللہ کا دین پہنچ گیا تھا اور اب ان کے پاس اپنی لاعلمی کے لئے کوئی عذر موجود نہیں ہے---- یہ امت اس اعتبار سے گویا اللہ کے رسول اور نوع انسانی کے درمیان واسطے اور رابطے کا ذریعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ کے آخری نبی ہیں لہٰذا آپؐ کے بعد پوری نوع انسانی تک اللہ کے پیغام اور دین اسلام کو پہنچانے کی ذمہ داری اب آپؐ کی امت کے کاندھوں پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک یہ پورا دور در حقیقت رسالت محمدیؐ کا دور ہے۔ آپؐ کے اس حیات دنیا سے پردہ فرما لینے کے بعد اس امت کے ذمے ہے کہ وہ نوع انسانی کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دے اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے حجت قائم کی تھی اسی طرح قیامت تک آنے والی نسل آدم پر دین کی حجت قائم کرے۔ ع دے تو بھی محمد کی صداقت کی گواہی۔" اس امت کا اہم ترین مقصد وجود یہی فریضہ شہادت علی الناس ہے۔ اگر وہ اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو یہ ایک بہت بڑی مجرمانہ غفلت ہوگی جس کے نتائج و عواقب کی ذمہ دار وہ خود ہوگی!)

اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تم پہلے تھے مگر اس لئے کہ ہم معلوم کریں کہ کون اتباع کرتا ہے رسولؐ کا اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے' اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان لوگوں پر جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی

(کہ بلاشبہ تمہارا اصل قبلہ تو یہی بیت اللہ ہے جسے اللہ کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام نے وادیء مکہ میں تعمیر کیا تھا لیکن کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم در اصل تمہاری آزمائش کے لئے تھا۔ اس آزمائش کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کی تفریق مقصود تھی کہ کون ہیں جو رسولؐ کے سچے وفادار اور حقیقی تابع فرمان ہیں اور کون وہ ہیں کہ آزمائش کی ایک لہر ان کے قدم اکھاڑ دینے کے لئے کافی ہوتی ہے!---- اور یقیناً یہ آزمائش مسلمانوں کے لئے اس پہلو سے بہت بھاری تھی کہ خانہ کعبہ کے ساتھ ان کا شدید نوع کا جذباتی و قلبی تعلق استوار تھا' مگر مسلمانوں میں سے جو مخلص اور وفادار تھے انہیں اللہ نے اس کڑی آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دیا!)

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو' یقیناً اللہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق اور مہربان ہے ○

(کہ مسلمان ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ سولہ ماہ تک جو نمازیں انہوں نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کیں وہ سب اکارت گئیں!---- یہ محض دشمنان دین کا پراپیگنڈا ہے۔ مسلمانوں نے اگر وقتی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو وہ اللہ کے حکم سے تھا' اور اب بیت اللہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو یہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں ہے' لہٰذا نمازوں اور ایمان کے ضائع چلے جانے کا کیا سوال !!---- اللہ تو اپنے مخلص بندوں کے حق میں انتہائی شفیق اور بے انتہا مہربان ہے!)

یہ جماعت قومی ضرورت ہے لیکن وہ ہے کہاں!

مسلم لیگ کو قیادت کون فراہم کر سکتا ہے

عبدالکریم عابد

پیر پگاڑا' جونیجو اور نواز شریف کے کردار کا تجزیہ

پاکستان کی عملی سیاست میں مسلم لیگی تو بہت ہیں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں لیکن مسلم لیگ کہیں موجود نہیں۔ مسلم لیگ کے نہ ہونے کے نقصانات پہلے بھی کم نہیں رہے مگر آئندہ بہت خوفناک ہونگے۔ لیگ ایک ایسی جماعت تھی اور اب بھی ہو سکتی ہے جس میں معتدل خیالات اور مزاج کے لوگ یکجا ہو سکیں۔ یہ علاقوں کے درمیان' لسانی گروہوں کے درمیان' فرقوں کے درمیان اور مختلف انداز ہائے فکر کے درمیان مفاہمت اور مطابقت پیدا کرنے کیلئے اچھا پلیٹ فارم ہو سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس انداز سے لیگ کی تنظیم جدید کیسے ہوگی اور یہ کام کون کرے گا؟۔

مسلم لیگی شخصیات میں پیر پگارا ہیں جن کی اپنی فنکشنل مسلم لیگ ہے' جونیجو ہیں جو اب اعجاز الحق کے ساتھ مل کر نئے سرے سے متحرک ہیں اور انہیں امید ہے کہ ان کیلئے ایک بار پھر وزیر اعظم بننے کا موقع پیدا ہو گیا ہے اور وزیر اعظم نواز شریف ہیں جو اپنی ذات کو ہی انجمن سمجھتے ہیں اور ذات کے خول سے باہر نہیں آ سکتے۔ ان تینوں حضرات کی اپنی اپنی خوبیاں اور خرابیاں ہیں۔

پیر پگارا ان حروں کے روحانی پیشوا بھی ہیں جو بھارتی سرحدات کے ساتھ رہتے ہیں' ان حروں کا تعلق جی ایچ کیو سے ہمیشہ مضبوط رہا ہے اور جی ایچ کیو بھی انہیں دفاعی نقطہ نظر سے اہمیت دیتا ہے۔ یہ حر کسی لسانی تفرقہ کی سیاست میں ملوث نہیں ہیں اگرچہ اب وہ پہلے کی طرح ایک متحد اور منظم قوت نہیں رہے اور پیپلز پارٹی نے بھی ان میں کچھ نہ کچھ رسائی حاصل کر لی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر حروں کے قائد پیر پگارا ہی ہیں۔ پیر صاحب پرانے مسلم لیگیوں کی طرح سیکولر ہیں لیکن مسلم قومیت اور پاکستانی قومیت پر ان کا اعتقاد پختہ ہے۔ گو جنے سندھ اور جی ایم سید سے بھی ان کے کافی روابط ہیں اور اپنی سیاست میں وہ ان سے مدد لیتے رہتے ہیں مگر سندھی قوم پرستی ان کا طرز فکر نہیں اور اخلاقی طور پر بھی ان میں وہ اکثر شرعی عیب موجود نہیں ہیں جو سندھ کے پیروں اور وڈیروں میں عام ہیں۔ شراب اور شباب کی رنگینیوں سے انہیں کبھی دلچسپی نہیں رہی۔

ایک زمانہ تھا جب پیر صاحب عام مجلسوں میں آنے اور اظہار خیال سے کتراتے تھے۔ انگریزوں نے ان کی تعلیم و تربیت ایک مخصوص جداگانہ ماحول میں کی تھی اور انہیں عام معاشرہ سے کاٹ کر رکھا تھا اس وجہ سے وہ ایک جھجک' خوف اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار رہے لیکن ان کی سوجھ بوجھ ہمیشہ اچھی رہی ہے۔ ۷۰ء میں ان کا اتحاد قیوم مسلم لیگ سے تھا۔ خان قیوم اور دولتانہ دونوں نے بعد میں اپنے اپنے انداز میں بھٹو سے صلح کر لی کیونکہ خان قیوم اقتدار اور وزارت کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور دولتانہ بھٹو کو ایسا شخص سمجھتے تھے جس سے نہ دوستی اچھی تھی نہ دشمنی۔ انہوں نے اپنے لئے برطانیہ میں سفارت پسند کی اور ہمیشہ مہر بہ لب رہے مگر پیر صاحب نے بھٹو کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے حالانکہ بھٹو نے تمام حربے استعمال کئے' ان کے خلیفہ جام صادق کو توڑ لیا اور حروں کے خلاف پولیس ایکشن بھی کیا گیا مگر وہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور بھٹو کے مقابلے میں مسلم لیگ کے جھنڈے کو اٹھائے رکھا۔

بھٹو کے بعد ضیاء الحق حکومت سے ان کے دور تعاون کا آغاز ہوا اور لوگ کہتے ہیں کہ اس دور میں انہوں نے بھی مال بنانے کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس زمانے میں سندھ کی حکومت ایک تثلیث تھی۔ اس تکون میں پیر پگارا' جی ایم سید اور ضیاء الحق اکھٹے تھے مگر بہت جلد ضیاء صاحب پیر پگارا سے ناراض ہو گئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کے دربار میں لگائی بجھائی کرنے والوں کی کمی نہیں تھی دوسری یہ کہ ضیاء صاحب کو شکایت ہو گئی تھی کہ پیر صاحب نے بلیک میلر کا انداز اختیار کر لیا ہے اور وہ بلیک میلنگ کو برداشت نہیں کرینگے۔ تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے تھے کہ دونوں شخصیات کی ملاقات بھی بند تھی۔ پھر لوگوں کے درمیان میں آجانے کے بعد ملاقات پر تو ضیاء صاحب رضا مند ہو گئے مگر دونوں میں جو فاصلہ پیدا ہو گیا تھا وہ مٹ نہیں سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پیر صاحب پنجاب میں نواز شریف مخالف مسلم لیگیوں کی تائید میں تھے جن کا زور توڑنے کے لئے ہی ضیاء صاحب نے کہا تھا کہ خدا میری عمر بھی نواز شریف کو لگا دے۔ یہ دعا اس قدر مقبول ہو گئی کہ نہ صرف عمر بلکہ ضیاء صاحب کا اقتدار بھی نواز شریف کے ہاتھ آگیا۔ چنانچہ اس اقتدار کے ساتھ بھی اول روز سے پیر صاحب کی ان بن چلتی رہی اور اب تک چلی آرہی ہے۔

پیر صاحب یقیناً ایک اہم اور طاقتور شخصیت ہیں' مضبوط قوت ارادہ رکھتے ہیں' اظہار خیال میں بے باک بھی ہیں اور پنجاب کے فیوڈل خانوادوں سے ان کے تعلقات بھی گہرے ہیں لیکن انہوں نے سیاسی مسائل اور موضوعات پر سنجیدہ اظہار خیال کی بجائے ایک مسخرہ پن اختیار کئے رکھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اخبارات میں چٹکلہ بازی اور جملہ بازی کو زیادہ اہمیت ملتی تھی لیکن غیر سنجیدہ رویہ نے

ان کا وہ سیاسی مقام متعین نہیں ہونے دیا جو ہونا چاہئے تھا۔ پیر صاحب سندھ کے ایک مدبر رہنما کے طور پر ابھر سکتے تھے لیکن وہ ہنسی مذاق کی نذر ہو گئے۔ ان کا کردار صرف یہ رہ گیا کہ وقفہ وقفہ سے سیاسی الٹ پھیر برپا ہونے کی نوید دیتے رہیں۔ پیش گوئیاں کرنے کا انہیں شوق تھا اور ویسے بھی وہ علم نجوم سے دلچسپی رکھتے رہے ہیں۔

لاہور میں ایک بنگالی ہے جس سے پیر صاحب زائچہ بنواتے اور حساب لگواتے رہے ہیں اور خود بھی زائچہ بنانے اور ستاروں کی چال کے لحاظ سے نتائج اخذ کرنے کے کام میں درک رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جی ایچ کیو سے اپنے مضبوط رابطہ کی وجہ سے بھی انہیں خصوصی اطلاعات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ اب پیر صاحب کو یقین ہے کہ اس بار جب بساط سیاست الٹے گی تو ان کی فنکشنل مسلم لیگ برسر اقتدار ہوگی اور وہ خود صدر بننے کی توقع بھی رکھتے ہیں یعنی اگر بادشاہ نہیں تو بادشاہ گر ضرور ہونگے۔ پہلے بھی جونیجو کو انہوں نے ہی وزیر اعظم بنوایا تھا جونیجو خود کسی خاص سیاسی اہمیت اور کردار کے حامل نہیں تھے۔ وہ ایوب خاں کے زمانے میں پیر صاحب کے آدمی کے طور پر نواب کالا باغ کی کابینہ میں ریلوے کے وزیر رہے اور نواب صاحب کے ساتھ ان کا گزارہ ٹھیک ٹھاک رہا۔

بھٹو سے تعاون کے لئے پیر پگارا ابھی تیار نہیں ہوئے چنانچہ ان کا کوئی آدمی بھٹو کابینہ میں نہیں تھا۔ ضیاء صاحب کو ضرورت تھی تو انہوں نے جونیجو کو بطور ادھار دیا لیکن اصل مع سود ڈوب گیا۔ جونیجو کے بس میں پیر صاحب کی فرمائشوں کی تکمیل نہیں تھی اور وہ جلد ہی پیر صاحب سے الگ ہو کر آزاد سیاست کرنے لگے۔ جونیجو نے اپنے لئے ایک عزت پیدا کی کیونکہ وہ ضیاء الحق کے کٹھ پتلی بننے پر بھی آمادہ نہیں ہوئے اور جمہوری و جماعتی سیاست کی ضرورت کو آخر کار انہوں نے ضیاء صاحب سے بھی تسلیم کرالیا۔ یہ جمہوریت ہی تھی کہ لاہور میں بے نظیر کو فقید المثال جلوس نکالنے کی اجازت دی گئی اور اس جلوس میں حکام نے پیپلز پارٹی سے اور پیپلز پارٹی نے انتظامیہ سے تعاون کیا۔

جونیجو نے غیر جماعتی اسمبلی سے مسلم لیگ کی جماعت اور اقتدار کو برآمد کر لیا لیکن بیوروکریسی ان سے خوش نہیں تھی۔ وفاداران ضیاء بھی جونیجو کے خلاف شکایتوں کا پلندہ لئے پھرتے تھے اور یہ بات بھی ضیاء صاحب کے مزاج کے خلاف تھی کہ سیاست اور جماعتی سرگرمیوں میں جمہوریت کی بات کی جائے چنانچہ اسے انہوں نے کچھ ہی عرصہ کیلئے گوارہ کیا۔ افغانستان کے مسئلہ پر جونیجو کی روش مفاہمت پسندانہ تھی جب کہ ضیاء صاحب کو مفاہمت گوارا نہ تھی اگرچہ بعد میں انہوں نے خود بھی جنیوا معاہدہ کی منظوری دے دی۔ تاہم ان کو جنیوا معاہدہ سے بھی زیادہ شاق گزرنے والی بات یہ تھی کہ جونیجو پارلیمانی سیاست کو فروغ دے رہے ہیں اور فیصلے کرنے میں ان کے پسندیدہ بیوروکریٹس کو اہمیت نہیں دیتے۔

جونیجو نے اپنے اردگرد ایک نیا جمگھٹا بھی بنا لیا تھا اور ان کے مخالفین ضیاء صاحب سے کہتے تھے کہ جونیجو کے ذریعہ امریکہ اپنی سیاسی چالیں چل رہا ہے۔ آخر جب صدر ضیاء کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو انہوں نے ایک لات مار کر جونیجو کو بمعہ اسمبلی کے گرادیا۔ عدالت عالیہ نے ضیاء صاحب کی اس کاروائی کو غیر آئینی قرار دیا مگر اب نئے انتخابات ہو رہے تھے اور انہیں روکنا عدالت نے مناسب نہیں سمجھا۔ جونیجو اپنی سیاست میں فرشتہ تو نہیں تھے تاہم انہوں نے ملکی سیاست کو جمہوری پٹڑی پر ڈالنے اور مسلم لیگ کے تن مردہ میں روح پھونکنے کی اپنی سی بڑی کوشش کی مگر ان کا دائرہ اختیار اور دائرہ اقتدار بہت محدود تھا۔ مرکز میں ضیاء صاحب اور صوبوں میں ان کے آدمیوں کی حکومت تھی جو وزیر اعظم کی کاٹ کرتے رہتے تھے پھر پیر پگارا بھی ان سے ناراض ہوگئے تھے۔

جونیجو ایک غنیمت شخص ہیں لیکن خطرناک بیماریوں کے سبب ان کی صحت جواب دے گئی ہے۔ وہ کسی بھاری ذمہ داری کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پھر وہ دھیمے مزاج کے ساتھ دھیمی سیاست کے قائل ہیں اور معاشرہ کے مزاج میں اب یہ دھیما پن نہیں رہا۔ پنجاب کا طبقہ خواص پہلے کی طرح آج بھی ان کا مخالف ہے لیکن خود سندھ میں بھی وہ کوئی طاقت نہیں ہیں اس لئے جونیجو کے ذریعہ مسلم لیگ میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

وزیر اعظم نواز شریف کی خوبی یہ ہے کہ وہ سیاست میں دولت لٹانا جانتے ہیں اور آج کی سیاست میں دولت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پہلے تو وہ بھی شرمیلے پن کا شکار تھے اور لوگوں کے سامنے بات کرنے سے ڈرتے تھے مگر اب بے دھڑک جلسے کر رہے ہیں اور سیاسی جوڑ توڑ میں بھی اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے بھائی شہباز شریف اس فن میں خاص طور پر طاق ہیں۔ سرحد کی این اے پی سے، کراچی حیدر آباد کی ایم کیو ایم سے، بلوچستان میں مخالف بگتی سردار سے انہوں نے مضبوط اتحاد قائم کر رکھا ہے۔ حال ہی میں الطاف حسین سے ان کا نیا رابطہ ہوا ہے اور الطاف اس بات کو قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کہ پنجاب کی کابینہ کے وزیروں نے ایم کیو ایم کی حمایت میں جرائت مندانہ بیانات دئے ہیں۔

نواز شریف اب مارشل لاء کے مقابلہ میں جمہوری اداروں کے استحکام کی بات کر رہے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے رویہ میں سرے سے کہیں جمہوریت انہیں ہے۔ لانگ مارچ کو روکنے کیلئے انہوں نے جس طرح کاروائی کی ہے، اس کا اثر ساری دنیا میں یہ ہوا کہ انہیں ایک غیر جمہوری شخصیت سمجھا جانے لگا ہے اور اب وہ نرم پڑے ہیں تو اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جنرل آصف نواز نے انہیں یہ سیاسی تصفیہ کی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، وہ اپنے ذاتی استعمال کی ایک چیز بنا کر رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ان کے زیر سایہ مسلم لیگ کا بحیثیت ایک سیاسی جماعت پھلنا پھولنا ممکن نظر نہیں آتا لیکن یہ بھی ہے کہ ملک میں مقابلہ دو ہی قوتوں کے درمیان ہے اور جب الیکشن ہونگے تو بے نظیر مخالف عناصر کو نواز شریف ہی اپیل کریں گے کیونکہ الیکشن کا کھیل کھیلنے کے لئے ان کے پاس اپنا ایک طاقتور دھڑا بھی ہے اور پیسے کی بھی کمی نہیں۔

اس بار ہمارے حکمرانوں کا فیصلہ ہے کہ انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کرائے جائیں تاکہ کسی ایک گروہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل نہ ہو سکے اور کئی جماعتوں کی مخلوط حکومت میں ایک مسلم لیگ ضرور ہوگی لیکن یہ کس کی مسلم لیگ ہوگی اور کس حقیقت میں ہوگی، اس کے متعلق ابھی پیشینگوئی کرنا ممکن نہیں ہے تاہم ملک کی یہ ضرورت ہے کہ مسلم لیگ ایک ہو اور نیک ہو۔ اگر سب مسلم لیگی اکٹھے ہو کر لیگ میں نئی جان ڈالنے کے لئے کچھ کریں اور اس کی صحیح طریقے پر تنظیم کریں تو مسلم لیگ بہت سے لوگوں کی پسند ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہ ایک بڑی اکثریت ہے جس کو پیپلز پارٹی کسی حال میں منظور نہیں کر سکتی اور جو علاقائی یا فرقہ وارانہ جماعتوں اور مذہبی جماعتوں کی سیاست کے ساتھ نہیں چل سکتے، ان کی ضرورت مسلم لیگ ہے۔ مگر وہ مسلم لیگ ہے کہاں؟ کیا یہ ان لوگوں کو مل سکے گی؟۔ ان سوالات کا جواب مسلم لیگی ہی دے سکتے ہیں○

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے...

کیا ماضی کی غلطیوں سے بھی سبق لیا جائے گا؟

محمد سمیع، کراچی

گذشتہ دنوں اخبار میں ایک خوش آئند خبر نظر سے گزری۔ وہ خبر اس ملاقات کے بارے میں تھی جو ایم۔ کیو۔ ایم کے قائد الطاف حسین اور امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کی لندن میں ہوئی۔ ان کے درمیان تنہائی میں ڈھائی گھنٹہ کی طویل گفت و شنید کی خبر بھی ملی ہے۔

ایم۔ کیو۔ ایم کے عروج سے قبل کراچی کی حد تک جماعت اسلامی کا اچھا خاصہ سیاسی اثر تھا اور آج کل جو علاقہ کراچی کے ضلع وسطی پر مشتمل ہے، پورے پاکستان میں جماعت اسلامی کا پاور بیس مانا جاتا تھا جہاں سے سابق امیر جماعت اسلامی کراچی جناب محمود اعظم فاروقی، نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان پروفیسر غفور احمد، قیم جماعت اسلامی سندھ اشتیاق احمد قریشی، موجودہ امیر جماعت اسلامی کراچی جناب عظمت اللہ خان ایڈووکیٹ اور موجودہ نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان منور حسن جیسے لوگ اسمبلیوں تک پہنچے تھے۔ مزید برآں آٹھ سال کے عرصہ تک بلدیہ عظمیٰ کراچی پر بھی جماعت اسلامی کا جھنڈا لہراتا رہا تھا لیکن جب ایم۔ کیو۔ ایم نے ان مسائل کو چھیڑا جن کا تعلق معاشی مشکلات سے تھا تو عوام میں اس کی زبردست پذیرائی ہوئی اور کراچی و حیدر آباد کے عوام نے سیاسی اور بلدیاتی دونوں سطح پر اسے بے مثال کامیابی سے ہم کنار کیا۔ جماعت اسلامی پس منظر میں چلی گئی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جماعت اسلامی اپنی اس شکست کو قبول کرلیتی اور ان علاقوں کی حد تک نئی اسٹرٹیجی تیار کرتی تاکہ آئندہ شکست کی ذلت سے بچا جاسکتا لیکن اس نے ایم۔ کیو۔ ایم کے بارے میں بڑا ہی جارحانہ انداز اختیار کیا۔ مہاجر قومیت کے نعرے کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی اور اس معاملے میں قرآن و حدیث کا سہارا لیا گیا۔ "پیاز کے چھلکے" جیسی کتابیں طبع کی گئیں اور ہزاروں کی تعداد میں اسٹکرز چھپوائے گئے۔ جماعت کی قیادت اس خام خیالی میں مبتلا تھی کہ عصبیت کی شناعت کو عوام میں پھیلا کر وہ ان کی ہمدردیاں دوبارہ حاصل کرلے گی لیکن اول تو جماعت اسلامی کی دعوت کا اثر و نفوذ عوام میں نہ ہونے کے برابر تھا دوسرے اگر بھوکے کے سامنے روٹی کی بجائے وعظ و نصیحت کے انبار سجادئے جائیں تو اس کا الٹا ہی اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اور جماعت اسلامی کا اثر رسوخ عوام میں گھٹتا چلا گیا۔

ادھر ایم۔ کیو۔ ایم کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ کراچی اور حیدر آباد کی قیادت انہوں نے دینی جماعتوں سے چھینی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنا سارا زور اس بات پر صرف کیا کہ نوجوانوں کو رجال دین اور دینی جماعتوں سے برگشتہ کردیا جائے اور دروغ برگردن راوی کہا یہ جاتا ہے کہ ان کی فکری نشستوں میں گفتگو کا اہم ترین موضوع یہی ہوا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدیں نوجوان نمازیوں سے خالی ہوتی چلی گئیں اور اس بات کو بری طرح محسوس کیا جانے لگا کہ دینی پروگراموں مثلاً درس قرآن وغیرہ کی محفلیں جن کی رونق پہلے نوجوان ہوا کرتے تھے، ان سے محروم ہوگئیں۔ یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے جو ہماری دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی کے نتیجے میں ظاہر ہوا۔ جانی اور مالی نقصان اس دینی نقصان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اپنی شناخت کروانا یا اپنی قوم کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا دین کے خلاف بات نہیں۔ اگر کوئی جھگڑا تھا تو وہ طریقہ کار کا تھا۔ اس جھگڑے کو ایم۔ کیو۔ ایم کے نوجوانوں کا اعتماد حاصل کرکے بھی طے کیا جاسکتا تھا۔ لیکن چونکہ ابتدا ہی میں سارا زور اس بات پر صرف ہوا کہ ایم۔ کیو۔ ایم عصبیت کی پیداوار ہے اور عصبیت کا دین میں یہ مقام ہے لہٰذا ان دونوں جماعتوں کے درمیان نہ صرف یہ کہ اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی بلکہ اس نے دشمنی کی شکل اختیار کرلی اور "تیتا" ان دونوں جماعتوں کے طلبہ ونگ کے کارکنوں کا آپس میں تصادم روز بروز بڑھتا چلا گیا جس کے نتیجے میں قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایم۔ کیو۔ ایم کو تشدد کی راہ پر ڈالنے والے جہاں دوسرے عوامل کارفرما تھے وہاں ان دونوں تنظیموں کے تصادم کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بہرحال لگتا اب یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو چلا ہے۔ جہاں جماعت اسلامی کو کراچی اور حیدر آباد کی حد تک اپنا اثر رسوخ بحال کرنے کی فکر ہے وہاں ایم۔ کیو۔ ایم کو بھی جو اپنی غلط حکمت عملیوں کی بنا پر سیاسی طور پر تنہا ہو کر رہ گئی ہے، دوبارہ اپنا سیاسی رول ادا کرنے کے لئے دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ افہام و تفہیم کی ضرورت ہے۔ ان حالات کی روشنی میں دونوں جماعتوں کے سربراہوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اتنی طویل گفت و شنید کا مرحلہ طے کرنا ایک خوش آئند امر ہے۔ جہاں ایم۔ کیو۔ ایم کی جواں سال قیادت کو اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کرکے مثبت انداز میں قدم آگے بڑھانا ہے وہاں جماعت اسلامی کے اکابرین کو بھی اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ دونوں فریقوں میں ان کی حیثیت بزرگوں کی سی ہے اور ظاہر ہے کہ بزرگوں پر ذمہ داری نوجوانوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ ان دونوں جماعتوں کی قیادت کو ماضی کی غلطیوں پر عبرت پکڑتے ہوئے بہتر مستقبل کے لئے مثبت پیش رفت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ پاکستانی قوم ان دونوں جماعتوں کی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہوجائے کیونکہ انگریزی کا ایک مشہور محاورہ ہے

"UNITED WE STAND DIVIDED WE FALL"

دوسری اور آخری قسط

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور علامہ اقبال

انہوں نے مراحل انقلاب کی نشاندہی بھی کردی

علامہ کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

اسلام سے اس خوف اور خطرے کے مقابلے میں ابلیس کو اگرچہ یہ تسلی اور اطمینان حاصل ہے کہ ایک جانب تو مسلمانوں کی عمل کے اعتبار سے حقیقی اور واقعی صورت حال یہ ہے کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں!

اور ؎

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں!

اور دوسری جانب نام نہاد "اہل ایمان" کے ایمان کی واقعی کیفیت یہ ہے کہ وہ "یقین" کی بجائے محض ایک "عقیدہ" بن کر رہ گیا ہے یعنی ؎ "یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں!" اور ؎

زندہ قوت تھی جہاں میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام!

تاہم چونکہ تاریخ کے بہاؤ کا رخ لامحالہ "تلاش مصطفیٰ" کی جانب ہے لہٰذا ابلیس کو یہ اندیشہ بھی لاحق ہے کہ ؎

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ ہوجائے آشکارا شرع پیغمبرؐ کہیں!

اور اس کے بعد کے چار اشعار تو نہ صرف یہ کہ اس طویل نظم کی اصل جان ہیں' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی یا نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فہم علامہ اقبال کو زندگی بھر کے مطالعے اور غور و فکر کے ذریعے حاصل ہوا تھا اس کی تعبیر کے ضمن میں "سہل ممتنع" کی بھی اعلیٰ ترین مثال ہیں اور "جوامع الکلم" کی بھی بہترین نظیر! چنانچہ:

(i) ؎ "الخدر! آئین پیغمبر سے سو بار الخدر!
حافظ ناموس زن' مرد آزما' مرد آفریں"

کی رو سے حضرت علامہ کے نزدیک اسلام کے سماجی اور معاشرتی نظام کی دو بنیادیں یہ ہیں کہ (i) اس میں عورتوں کی عصمت و عفت اور عزت و ناموس کی حفاظت کو اولین مقصد اور ہدف کی حیثیت حاصل ہے۔ اور (ii) اس میں مشکل اور مشقت طلب فرائض (جیسے طلب معاش اور دفاع ملک و ملت) کا بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے' عورت پر نہیں!

(۲) ؎ "موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں' نے گدائے رہ نشیں!"

کے مطابق اسلام کا سیاسی نظام "تمیز بندہ و آقا" کے خاتمے کے اصول پر مبنی ہے۔ جس کی ایک ہی صورت ممکن ہے۔ یعنی یہ کہ حاکمیت صرف اللہ کے لئے تسلیم کی جائے بقول اقبال ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری!

-----اور تمام انسان حدیث نبویؐ میں وارد الفاظ "کونوا عباد اللہ اخوانا" کے مطابق ایک جانب اللہ کے بندے اور دوسری جانب آپس میں بھائی بھائی بن جائیں---- اور صرف عقیدہ اور نظریہ کے علاوہ کوئی دوسری تمیز و تفریق اور اونچ نیچ انسانوں کے مابین باقی نہ رہے! فحوائے ؎

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

اور ؎

ناشکیب امتیاز ات آمدہ
در نہاد او مساوات آمدہ!

جس کا منطقی نتیجہ ہے کہ اسلام روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے گویا ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

(۳) اقبال کی جامعیت کا نمایاں مظہر یہ بھی ہے کہ جہاں مابعد الطبیعات ان کا اصل موضوع تھا وہاں نہیں اقتصادیات سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان سے بڑھ کر کون اس حقیقت سے واقف ہوسکتا تھا کہ آج کی دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت معاشیات کو حاصل ہے اور آج کا انسان بالفعل "معاشی حیوان" بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن چار اشعار پر اس وقت گفتگو ہو رہی ہے' ان میں سے دو کا تعلق اسلام کے اقتصادی تصورات سے ہے۔ چنانچہ ایک جانب "سرمایہ" کے بارے میں فرمایا: ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں!

اور دوسری جانب "زمینداری" کی جڑ یہ کہہ کر کاٹ دی کہ ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کے سماجی انصاف کے نظام کے ضمن میں علامہ اقبال نے توحید الٰہی کے تینوں منطقی نتائج کو خود بھی کماحقہ سمجھا اور اللہ کے فضل و کرم سے انہیں اپنے اشعار

کے ذریعے سمجھانے اور عام کرنے کا حق بھی پوری طرح ادا کردیا۔ یعنی (i) یہ کہ چونکہ تمام انسان ایک ہی خالق کے پیدا کردہ (مزید برآں ایک ہی انسانی جوڑے کی نسل سے ہیں) لہٰذا ان کے مابین پیدائشی طور پر نسل، رنگ یا صنف کی بنا پر کوئی اونچ نیچ نہیں ہے (ii) یہ کہ "حاکمیت مطلقہ" صرف اللہ کے لئے ہے اور انسانوں کے لئے محض "خلافت" ہے۔ اور (iii) یہ کہ "ملکیت تامہ" بھی صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور انسان کے لئے زمین سمیت کل مال و دولت صرف "امانت" کے حکم میں ہے۔ "بقول شیخ سعدیؒ"۔

ایں امانت چند روزہ نزدماست
درحقیقت مالک ہر شے خداست!

اور بقول اقبال ع "بندہ مومن امیں، حق مالک است! ان میں سے جہاں تک "سیاست" "خلافت" کا تعلق ہے اس پر کچھ ہی دنوں قبل ان کالموں میں بھی مفصل گفتگو ہوچکی ہے، مزید برآں متعدد سیمینار بھی منعقد کئے جاچکے ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں کسی مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ **البتہ جہاں تک معاشی عدل و انصاف کے ضمن میں** اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہے، اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ان کی حقیقت اور اہمیت جس شدت و حدت اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ علامہ اقبال پر منکشف ہوئی اس کی کوئی مثال کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی کے مفکرین اسلام اور داعیان دین میں سے کسی کے یہاں نہیں ملتی۔

چنانچہ یہ شعور و ادراک تو بحمداللہ عام ہے کہ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں ذاتی منفعت کے جبلی تقاضوں کو مناسب حد تک ملحوظ رکھ کر "سرمایہ کاری" کے لئے تو پوری فضا برقرار رکھی۔ لیکن "سرمایہ داری" کی لعنت کی جڑ سود کی حرمت کے ذریعے کاٹ کر رکھ دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ "ربا" کی خباثت و شناعت کے احساس و ادراک کے ضمن میں جس "جوہر اندیشہ کی گرمی" اقبال کے یہاں نظر آتی ہے وہ کم از کم راقم کی محدود معلومات کی حد تک کسی دوسرے مفکر یا عالم کے یہاں موجود نہیں ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں:۔ "از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!۔ کس نہ داند لذت قرض حسن۔" اور۔

از ربا جاں تیرہ، دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دنداں و چنگ!

(اس ضمن میں احساس کی شدت اور حدت کے اعتبار سے اگر کوئی دوسرا شخص اقبال کے آس پاس

"زمین کے سود" یعنی غیر حاضر زمینداری اور مزارعت کے مسئلے پر علامہ نے نہائت واضح اور دوٹوک بات کی۔

نظر آیا تو وہ بھی حسن اتفاق سے ایک کشمیری شیخ ہی تھا۔ یعنی شیخ محمود احمد مرحوم جن کی مختصر کتاب "سود کی متبادل اساس" تو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہوچکی ہے، لیکن اصل معرکہ آلارا تصنیف "انسان اور سرمایہ" ابھی زیر طباعت ہے۔ لیکن صرف انگریزی میں!)

تاہم سود کی حرمت کے مسئلے پر تو پھر بھی غنیمت ہے کہ علماء دین کا اجماع ہے (اگرچہ دور ملوکیت میں پروان چڑھنے والی فقہ نے "بیع موجل" اور "بیع مرابحہ" کی اساس پر شرعی حیلوں کے ذریعے سود خوروں کے اطمینان و تسکین کا سامان فراہم کر رکھا ہے) لیکن "زمین کے سود" یعنی غیر حاضر زمینداری اور مزارعت کو تو امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ اور امام دارالہجرت حضرت مالکؒ کے فتووں کے علی الرغم تمام علمائے دین نے شیر مادر کی طرح حلال و طیب قرار دے رکھا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ علامہ اقبال کے ہاتھوں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید کا نہایت اہم اور نمایاں مظہر ہے کہ اس مسئلے پر انہوں نے نہایت واضح اور دوٹوک بات کی۔ چنانچہ ایک جانب فلسفہ اور نظریہ کی سطح پر انہوں نے زمین کی ملکیت کی کلی نفی کی کہ ع "پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین!" اور۔

وہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آباء کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!

اور۔

رزق خود را از زمیں بر دن رواست
ایں متاع بندہ و ملک خداست!

اور دوسری جانب عملی سطح پر امام اعظمؒ اور امام دارالہجراتؒ کی آراء سے ہم آہنگی اختیار کرتے ہوئے حضرت علامہ نے زراعت میں مزارعت یعنی بٹائی کے نظام کو اللہ کی رحمت اور برکت سے محرومی کا سبب قرار دیا۔ بفرمائے:۔

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بدست خویش بنوشت!
بہ آں قومے سرو کارے نہ دارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت!

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں تو ان کی شان بالکل "منفرد" ہے!

بہرحال، اسلام کے اس انقلابی فکر کی تجدید کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ اقبال نے "انقلاب" کا نعرہ بلند کیا۔ اور اس کے لئے خاص طور پر سرمایہ داری، زمینداری اور جاگیرداری ہی کے خلاف اعلان جہاد کیا۔۔۔ یعنی:۔

"خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب
انقلاب! انقلاب!! اے انقلاب!!!"

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ حضرت علامہ نے اسلامی انقلاب کا ہدف معین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو برپا کرنے کے منہج اور منہاج کو بھی کمال جامعیت اور غایت اختصار کے ساتھ واضح کردیا۔ چنانچہ اس موضوع پر ان کا ایک شعر تو الہامی ہی نہیں "معجزانہ" ہے! تاہم اس کا ذکر بعد میں ہوگا۔ پہلے یہ بات واضح ہوجائے کہ علامہ کے نزدیک اسلامی انقلاب کی جدوجہد کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کو لوگوں کے "اندر" اتارا جائے جس سے ان کے ذہن و فکر، نظریات و خیالات، اہداف و مقاصد اور اقدار و ترجیحات میں "انقلاب" برپا ہوجائے۔ اور وہ "اندر سے" بالکل تبدیل ہو کر رہ جائیں۔ اس لئے کہ عالم انسانیت میں یہ باطنی اور نفسیاتی تبدیلی اور شخصی و انفرادی انقلاب ہی عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ عظمت قرآن کے بیان میں فرماتے ہیں۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

واضح رہے کہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ میں "جہاد بالقرآن" یعنی قرآن کے ذریعے جہاد سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے "تو (اے نبیؐ) آپ ان کافروں کا کہنا نہ مانیں اور ان کے ساتھ جہاد جاری رکھیں اس (قرآن) کے ذریعے، پوری شدت اور قوت والا جہاد!" اس لئے کہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے مرحلہ اول یعنی دعوت و تبلیغ کا کل مبنی و مدار، اور مرکز و محور صرف اور صرف قرآن حکیم ہے، چنانچہ اسی کے ذریعے وعظ و نصیحت

انذار و تبشیر' اور تذکیر و تلقین' گویا فی الجملہ اسی کی تبلیغ و تعلیم اسلامی انقلابی جدوجہد کا پہلا مرحلہ ہے' لیکن یہ حقیقت کہ تزکیہ و تربیت کا آلہ اور ذریعہ بھی قرآن حکیم ہی ہے اور شیطان لعین اور اس کی صلبی اور معنوی اولاد کے مقابلے کے لئے بھی واحد تلوار اور ہتھیار اللہ کی کتاب ہی ہے جس شدت کے ساتھ اقبال پر منکشف ہوئی اور جس قدر وضاحت کے ساتھ انہوں نے اسے بیان کیا اس کی بھی کوئی دوسری مثال کم از کم راقم کے علم میں موجود نہیں ہے!(اس موضوع پر بھی چونکہ ان کالموں میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے' لہٰذا تفصیل کی ضرورت نہیں ہے !) ---- ان کے ساتھ دو مراحل کا مزید اضافہ کر لیا جائے یعنی ایک تنظیم جس پر گفتگو ہو چکی ہے' اور دوسرے صبر محض یا عدم تشدد یا صحیح تر الفاظ میں "عدم انتقام" جس پر گفتگو ابھی باقی ہے' تو علامہ اقبال کے متذکرہ صدر "معجزانہ" شعر کا مصرعہ اول مکمل ہو جاتا ہے' یعنی: ع

"بانشہ درویشی در سازو دمادم زن!"

اس لئے کہ ان چار مراحل کے دوران اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں کارکنوں اور مجاہدوں کا نقشہ واقعی طور پر "اور لامحالہ بدھ مت کے بھکشوؤں' اور حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں ہی سے مشابہ ہوتا ہے۔ یعنی گالیاں سنو اور دعائیں دو' پتھر کھاؤ اور پھول پیش کرو' اور سائلوں کی طرح دعوت دو' اور بھکاریوں کی طرح در در کی ٹھوکریں کھاؤ' اور اف تک نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اپنی جدوجہد کو "دمادم زن" کے انداز میں جاری رکھو! چنانچہ مکی دور کے بارہ سالوں کے دوران مسلسل یہی ہدایات اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو' اور آنحضورؐ کی جانب سے صحابہ کرامؓ کو ملتی رہیں کہ "اللہ (کی خوشنودگی) کے لئے صبر کرو" (سورۃ المدثر: ۷) اور "ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے" (سورۃ الحجر: ۹۷) لیکن اس کے باوجود "صبر کرو اس پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور ان سے کنارہ کشی بھی کرو تو خوبصورتی کے ساتھ" (سورۃ المزمل: ۱۰) اور "صبر کے ساتھ انتظار کرو اپنے رب کے حکم کا اور مت ہو جاؤ اس مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی مانند (جنہوں نے عجلت سے کام لیا تھا)"

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ شریعت کے مستقل اور ابدی قانون سے حکم قصاص ساقط ہو گیا تھا' یا صحابہ کرامؓ کی طبع بشری بدل گئی تھی اور اس میں جوش انتقام پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ صرف

ان کا اصل خطاب مسلمانانِ ہند کی جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل سے تھا جس کے دلوں کو انہوں نے گرمانے کی کوشش کی۔

انقلابی جدوجہد کے ابتدائی مراحل کا وقتی تقاضا تھا۔ چنانچہ خود سورۃ الشوریٰ میں جو مکی دور کے بھی وسط میں نازل ہوئی تھی' اہل ایمان کا یہ وصف مقام مدح میں مذکور ہے کہ "اور وہ کہ جن پر زیادتی کی جائے تو وہ بدلہ لیتے ہیں!۔ اور برائی کا بدلہ تو یقیناً ویسی ہی برائی ہے!" (آیات ۳۹ اور ۴۰) تاہم یہ "اپنے ہاتھ روکے رکھو" (سورۃ النساء: ۷۷) کا وقتی حکم کچھ ایسی کیفیت کے ساتھ تھا کہ۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

اس لئے کہ جیسے ہی یثرب کی جانب ہجرت ہوئی اور فضل خداوندی سے آنحضورؐ کی انقلابی جدوجہد کو "اقدام اور چیلنج" کے لئے مرکز اور قاعدہ (مورچہ) میسر آگیا اہل ایمان کے ہاتھ کھول دیے گئے اور اذن قتال نازل ہو گیا یعنی: "اجازت دیدی گئی انہیں جو جنگ کر رہے ہیں (یا اختلاف قراءت کی بنا پر: جن پر جنگ مسلط کر دی گئی ہے!) اس لئے کہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے!" (سورۃ الحج: ۳۹) اور پھر جب اس کے نتیجے میں کچھ ہی دنوں بعد مسلح تصادم اور قتال فی سبیل اللہ کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا تو اولاً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۳ میں اور پھر مزید وضاحت اور صراحت کے ساتھ سورۂ انفال کی آیت ۳۹ میں حکم دے دیا گیا کہ "ان (کافروں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے!" ---- یعنی اللہ کی زمین سے باطل کی حکمرانی کا قلع قمع ہو جائے اور اس کے باغیوں اور سرکشوں کی حکومتوں کے تختے الٹ دئے جائیں اور "حق بحقدار رسید!" کے مصداق اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حکومت (یا انجیل کی اصطلاح میں "آسمانی بادشاہت") قائم ہو جائے۔

چنانچہ اقدام اور چیلنج اور مسلح یا غیر مسلح تصادم کے ان مراحل کو اقبال نے کمال جامعیت و اختصار' اور معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ سمو دیا اپنے متذکرہ بالا شعر کے دوسرے مصرعے میں - یعنی: ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!" اور اسی کے لئے وہ مسلسل پکارتے' ابھارتے' اور للکارتے رہے امت مسلمہ بالخصوص اس کی "مذہبی قیادت" کو جو مدرسہ اور خانقاہ اور علماء اور صوفیاء میں منقسم تھی اور جس کے بارے میں ان کے مشاہدات اور تاثرات کا اظہار ان کے ان الفاظ کے ذریعے بخوبی ہو جاتا ہے کہ ع "اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک!" یہی وجہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے ایک جانب اس وجودی تصوف کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جس کے زیر اثر خام طبائع میں عمل' اقدام' اور جہاد کی بجائے تعطل' گریز' اور جمود کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ اہل تصوف کو زوردار دعوت دی کہ۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ
کہ رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری!

بلکہ یہ بھی بتایا کہ یہ تو مسلمانوں کے بارے میں ابلیس لعین کی اپنے کارندوں کو اہم ہدایت ہے کہ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے!

اور دوسری طرف علماء دین کو بھی جھنجوڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ ان کے جو شاہکار اشعار ان کے مرقد کی زینت بنے ہوئے ہیں ان میں یہ قطعہ بھی شامل ہے کہ۔

بیا تا کار ایں امت بسا زیم
قمار زندگی مردانہ بازیم

اور۔

چناں نالیم اندر مسجد شہر
دلے در سینہ ملا گدازیم!

تاہم ان کا اصل خطاب مسلمانانِ ہند کی جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل سے تھا جس کے دلوں کو انہوں نے کبھی تو عظمت رفتہ اور سطوت گزشتہ کی یاد سے گرمانے کی کوشش بھی کی کہ۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

اور کبھی ان کے جوش عمل کو مستقبل کے بارے میں امید افزا پیشینگوئیوں اور مغرب کے زوال اور اسلام کے عروج کی ع "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید!" کے سے انداز کی خبروں کے ذریعے ابھارا۔ جیسے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اور۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کی اس ملی شاعری نے مسلمانان ہند کے نوجوان طبقے کے دلوں سے اس یاس اور ناامیدی کے اندھیاروں کو کافور کردیا جس کا نمایاں ترین مظہر قومی شاعر ہونے کے اعتبار سے علامہ کے پیشرو مولانا حالی کی شہرہ آفاق مسدس کی ابتداء اور اختتام کے یہ دلدوز اشعار ہیں

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے!

اور۔

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جذر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے!

---اور۔

اے خاصہ خاسان رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے!

---"وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے۔
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!"

بایں ہمہ یہ واقعہ اپنی جگہ ناقابل انکار ہے کہ علامہ اقبال نے اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید کے اس عظیم الشان کارنامے' اور انقلاب کے منہج اور منہاج کی واضح نشاندہی کی عظیم خدمت' اور مسلمانان ہند کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے طبقے میں ایک جذبہ عمل پیدا کرنے کی بھرپور سعی کے باوجود خود نہ کسی احیائی تحریک کا آغاز کیا نہ ہی کسی جماعت کی تاسیس کی۔ اور اسی بنا پر ہم نے اس سے قبل انہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے مشابہ قرار دیا تھا۔ جو اگرچہ خود تو آخر وقت تک صرف ایک گوشہ نشین درویش اور معلم و مصنف ہی رہے لیکن انہوں نے ایک جانب مسلمانان ہند کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو بلایا' اور دوسری جانب صحیح علم و عمل کی وہ فضا پیدا کردی جس کے نتیجے میں دوسری ہی نسل میں سید احمد بریلویؒ کی قیادت و امارت اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیلؒ کے معاونت و مبایعت سے تحریک مجاہدین ایسی عظیم تحریک برپا ہوگئی۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ بالکل اسی طرح علامہ مرحوم نے بھی مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد کی کشتی کی ناخدائی کے لئے بلایا قائداعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے' اور خود اپنی بھی عملی سرگرمی کو اسی قومی دائرے میں محدود رکھا۔۔۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ان ہی کی "تجدید فکر اسلامی" تھی جس کے نتیجے میں اولاً مولانا ابوالکلام آزاد نے "حکومت الہیہ" کا نعرہ لگایا اور "حزب اللہ" قائم کی اور بعد ازاں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی میدان میں اترے۔ جنہیں حضرت علامہ ہی نے پنجاب نقل مکانی کی دعوت دی جہاں کی فضا علامہ کی ملی شاعری کے ذریعے بہت ہموار اور ساز گار ہو چکی تھی۔ تاہم اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو آئندہ صحبت میں ہوگی۔

سوچ کی لہر

ہماری انقلابی دینی جماعتیں... کون سی منزل میں ہیں!

انتخابی سیاست سے بیزاری بڑھ رہی ہے

فیاض اختر میاں

پاکستان کی قومی سیاست میں ملک کی معتبر سیاسی پارٹیوں کے درمیان ۸۸ء کے الیکشن کے بعد بتدریج بڑھتی ہوئی مفاد آرائی' ذاتی مفاد اور انا کی جنگ نے بہت بڑا خلاء پیدا کردیا ہے۔ گذشتہ چار سالوں میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات و واقعات نے جہاں قوم کو شدید ترین معاشی بدحالی میں مبتلا کردیا وہاں ملک کی تمام چھوٹی بڑی مذہبی و سیاسی پارٹیوں کی اقتدار میں شمولیت سے عوام کو ان کے منشور میں درج دعووں کو پرکھنے کا بھرپور موقع بھی ملا ہے۔

ایسے میں ہر باشعور پاکستانی کے ذہن میں پیدا ہونے والا سوالیہ نشان ہر گزرنے والے دن کے ساتھ جلی ہوتا چلا جارہا ہے کہ ہمارے مسائل کا حل کیا ہے اور کہاں ہے؟۔ ہر پاکستانی بجا طور پر افواج پاکستان پر فخر کرتا ہے لیکن کیا ہمیں یہ اپنا واحد منظم ادارہ داؤ پر لگا دینا چاہیے جس کا کام پاکستان کی مقدس سرحدوں کی حفاظت ہے' سیاسی مخالفین کی سرکوبی نہیں۔ ماضی میں کئی مرتبہ افواج پاکستان کو ملی سلامتی کے پیش نظر سیاسی اداروں کا بستر گول کر کے ملکی نظام کو بھی سنبھالنا پڑا لیکن کس قیمت پر؟۔

ملک دشمن بیرونی طاقتوں کو ۶۵ء کی جنگ سے ہی افواج پاکستان بری طرح کھٹک رہی ہیں کیونکہ وہ اچھی طرح آگاہ ہیں کہ اس ادارے کو کمزور اور غیر منظم بنائے بغیر وہ اپنے مذموم مقاصد پوری طرح نہیں حاصل کرسکتیں۔ چنانچہ یہ قوتیں پوری دنیا میں افواج پاکستان کو بدنام کرنے کی مہم چلا رہی ہیں اور دوسری طرف پاکستان کے اندر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ اس کو تباہ و برباد کرنے کے لئے نت نئے جال بچھاتی رہتی ہیں۔ ضیاء مرحوم کے دور میں پاک فوج کی طویل جدوجہد کے نتیجہ میں دشمن ہمسایہ ملک کو لگام دینے کے لئے حاصل کی گئی کامیابیوں کو سابقہ حکومت کے دور میں سبوتاژ کردیا گیا۔ جبکہ حال ہی میں سندھ آپریشن کے دوران حکومت میں موجود ملک دشمن عناصر نے افواج پاکستان کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چلائی اور اس آپریشن کے نتیجے میں سامنے آنے والے ملک فروشوں کو نہ صرف گلے لگایا بلکہ ہر طرح تحفظ بھی فراہم کیا۔

اس پس منظر میں چند حقائق بڑی تیزی سے نمایاں ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں مارشل لاء ملک کے لئے زہر قاتل ہے وہیں جمہوریت بھی اس مملکت خداداد میں نہیں چل سکتی کیونکہ یہ بات اب روز روشن کی طرح واضح ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کا مطلب وڈیروں' جاگیرداروں اور منشیات فروشوں کی حکومت ہے' جو ہر بار چہرے بدل کر عوام کا خون نچوڑتے رہتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ تاریخ نے ثابت کردیا ہے کہ مسلمانوں پر کوئی بھی لادینی نظام حکومت کامیابی سے نہیں چلایا جاسکتا۔ ملک عزیز میں ایک طرف دولت چند ہاتھوں میں اکٹھی ہورہی ہے تو دوسری طرف آبادی کی اکثریت

دو وقت کی روٹی کو ترستی ہے۔ عام استعمال کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں جبکہ بیروز گاری کے عفریت نے چوری ڈاکے ' منشیات فروشی اور عصمت فروشی کو فروغ دیا ہے۔ لائسنس یافتہ ڈاکوؤں نے مختلف ہتھکنڈوں اور کوآپریٹو اداروں کے ذریعہ مڈل کلاس کے خون کا قطرہ قطرہ نچوڑ لیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ملکی مارکیٹوں میں سخت مندے کا رجحان ہے۔ ان سنگین مسائل کو سلجھانے کے ذمہ دار لوگ مسائل سے بے نیاز قومی مفاد کی آڑ میں اپنے مفادات کے لئے باہم برسرپیکار ہیں۔

پاکستان کے سیاسی اور معاشی نظام میں بڑی تیزی سے ایک خلاء پیدا ہو رہا ہے اور قدرت کا یہ اصول اٹل ہے کہ جہاں کہیں کوئی خلاء پیدا ہوتا ہے' کوئی آندھی اس خلاء کو پر کرنے کے لئے اس طرف کا رخ کرتی ہے۔ اس خلاء کو کون پر کرے گا؟۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں پاکستان کی انقلابی سوچ کی حامل مگر مغربی جمہوریت سے بیزار دیگر قوتوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ مثال کے طور پر جماعت اسلامی' پاکستان عوامی تحریک' سپاہ صحابہ ' جمعیت علمائے پاکستان' اور تنظیم اسلامی۔

گو جماعت اسلامی پاکستان کے قیام کے بعد مغربی جمہوری سیاست میں بھرپور حصہ لیتی رہی ہے مگر اس کی صفوں میں گاہے بگاہے اسلامی انقلاب کا نعرہ بھی لگتا رہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہ خالص انقلابی دینی جماعت تھی اور اس وقت بھی اگر یہ اپنے موجودہ طریق کار کو ترک کر کے قیام پاکستان سے قبل کے اساسی انقلابی طریقہ کار کو اپنا لے تو اسلامی انقلاب میں بہت اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ پاکستان عوامی تحریک جس کے بانی و چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری ہیں ۸۶ء تا ۸۹ء انتہائی سرعت سے عوام میں مقبول ہوئی مگر ۹۰ء کے الیکشن میں دشوار گزار انقلابی رستہ کو ترک کر کے جمہوری انتخابی سیاست کی دلدل میں دھنس کر رہ گئی۔ اس کے نتیجہ میں اپنے ابھرنے کی رفتار سے کئی گنا زیادہ رفتار سے زوال پذیر ہے تاہم اگر یہ تحریک بھی پلٹ کر اپنے سابقہ انقلابی رستہ کو اختیار کرتی ہے تو موجودہ خلاء کو پر کرنے کے لئے بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ تحریک سپاہ صحابہؓ جس کا اصل ہدف تو صحابہ کرامؓ کے خلاف قوتوں کی سرکوبی تھا جس میں کہ وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہی مگر یہ قوت بھی اسلامی انقلابی جدوجہد کے لئے اگر کسی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو جائے تو کسی سے پیچھے رہنے والی نہیں۔

جمعیت علمائے پاکستان مولانا فضل الرحمٰن گروپ کے معتبر حلقوں میں بھی انتخابی جمہوریت سے بیزاری بڑھتی چلی جا رہی ہے کہ پچھلے دنوں مولانا فضل الرحمٰن کے دست راست کا کراچی کے اجتماع میں کھلا اظہار رائے کہ انتخابی جمہوری رستہ سے دین کا حصول ممکن نہیں ' انقلاب اسلامی کی ٹھیٹھ جدوجہد کا آغاز معلوم ہوتا ہے۔ صوبہ بلوچستان کے بعض علاقوں کے رہنے والوں کے دلوں پر راج کرنے والی یہ جماعت کسی لمحے بھی انتخابی سیاست کے رستہ کو چھوڑ کر انقلاب اسلامی کا نعرہ مستانہ بلند کر سکتی ہے۔ اور آخر میں ذکر اس جماعت کا جو ٹھیٹھ اسلامی انقلابی طریقہ کار پر قدرے سست مگر انتہائی منظم طریقہ سے قدم بقدم نبی اکرمؐ کے انقلابی طریقہ پر آگے بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں قائم ہونے والی اس جماعت نے روز اول ہی سے اسلامی انقلاب کے لئے جمہوری انتخابی طریقہ کار کو یکسر مسترد کر دیا تھا حتیٰ کہ اپنے تنظیمی ڈھانچے کے لئے بھی حضورؐ کی سنت زندہ کرتے ہوئے بیعت کا نظام اختیار کیا۔ میری مراد تنظیم اسلامی سے ہے جس کے امیر اور بانی ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔ ان کی شخصیت جدید و قدیم علوم اسلامی کا حسین امتزاج ہے۔

حال ہی میں تنظیم اسلامی پاکستان نے اپنے رفقاء کی تربیت و تزکیہ کو ایک خاص حد تک لے جانے کے بعد تحریک خلافت کا اعلان کر دیا ہے۔ جس کا ہدف فی الحال نظام خلافت کی برکات سے عوام کو روشناس کروانا ہے تاہم اگر نظام خلافت کے قیام کی مشترکہ جدوجہد کا ڈول ڈالا جاتا ہے تو ماضی میں بارہا دیگر مذہبی و دینی قوتوں کو متحد ہونے کی دعوت دینے والی یہ تنظیم ایک لحظہ کی تاخیر کے بغیر میدان عمل میں آجائے گی۔ تنظیم اسلامی دیگر تمام مذہبی و دینی جماعتوں سے منفرد اس حوالہ سے ہے کہ یہ مکمل دین کی داعی ہے اور روز اول ہی سے اپنے لئے انتخابی جمہوری سیاست کو شجر ممنوع قرار دے چکی ہے۔ اس کے منشور کی بنیاد ہی انقلاب اسلامی ہے جو انتخاب کے راستہ سے ممکن نہیں اور دوسرا یہ کہ جب دیگر مذہبی و دینی جماعتیں انتخابی جمہوری سیاست کے اکھاڑے میں برسرپیکار تھیں ' تنظیم اسلامی ہوم ورک (Home Work) میں مصروف رہی۔ یعنی ایک طرف تو حضورؐ کے قائم کردہ نظام خلافت کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا کام ہو رہا تھا اور دوسری طرف قابل قدر دینی ادارے اور کالج قائم کئے جا رہے تھے۔ قرآن اکیڈمی لاہور ' قرآن اکیڈمی کراچی ' قرآن اکیڈمی ملتان ' قرآن اکیڈمی راولپنڈی اور قرآن کالج لاہور ان میں قابل ذکر ہیں۔

موجودہ ملکی دگرگوں حالات ' عدم استحکام اور فتنہ و فساد کی فضا میں پیدا ہونے والے اس خلاء میں یہ امر قابل غور ہے کہ پی ڈی اے اور آئی جے آئی دونوں دھڑوں میں اب کوئی بھی مذہبی و دینی جماعت شامل نہیں اور یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ جس سے یہ خیال پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ اگر تمام مذہبی و دینی قوتیں انتخابی سیاست کو چھوڑ کر انقلابی طریقہ کار کو بغیر کوئی وقت ضائع کئے اپناتی ہیں تو اس وقت واضح امکان ہے کہ خلافت اسلامی علیٰ منہاج النبوۃ کی ابتداء مملکت خداداد پاکستان سے ہو جس کی خبر خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔○○

بقیہ : پرانے امریکی اتحادی

فرانس نے دو فیصد نکات پر اتفاق کیا۔ لوگ یورپی برادری کی بے فیض نوکر شاہی سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر یورپی راہنما اپنے ہاں مخالفت پر قابو پانے کے لئے مقامی مصلحتوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ انہیں امریکہ سمیت بیرونی دنیا کے مفادات کا کوئی پاس نہیں۔ ہمارے لئے ان کی زرعی پالیسی ہی نقصان دہ نہیں' یورپ کی سرکاری امداد سے تجارتی سطح پر ائیر بس کی تیاری کا مسئلہ بھی موجود ہے۔

یورپ کو باہمی تعاون میں حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ اقتصادی وسائل بہتر طور پر بروئے کار لائے جا سکیں۔ اسے مشرقی یورپ کے ممالک کو اپنی منڈیوں میں شامل کرنے میں بھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔ خلیج کے بحران نے ثابت کر دیا ہے کہ یورپ کے لئے امریکی امداد کے بغیر چارہ نہیں اور امریکہ بھی یورپ کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہے مگر پہلی جنگ عظیم کے بعد کی طرح اس وقت بھی تمام قومیں صرف اپنے اپنے مفادات کا تحفظ چاہتی ہیں جو ایک خطرناک علامت ہے۔ تاہم جب تک تمام ترقی یافتہ ممالک اپنی سوچ کے دائرے کو وسیع نہیں کرتے' عالمی قیادت کے لئے امریکہ کو بھی سردردی مول لینے کی ضرورت نہیں۔ محسوس بہرحال ہو رہا ہے کہ یورپ اپنی بات منوانے کے سوا کچھ نہیں کرے گا۔ امریکہ کو ان دنوں یہی سبق مل رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری دنیا کسی سربراہ کے بغیر چلے گی۔○○

پرانے امریکی اتحادی یورپ کا نیا کردار

امریکی تجزیہ نگار رابرٹ جے سیموئل سن کی نظر میں

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

یورپ والوں کو ہم اپنا اتحادی سمجھتے ہیں لیکن یہ رشتہ جو سرد جنگ کی یادگار ہے' تیزی سے اپنی اہمیت کھو رہا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے درمیان اٹھ کھڑا ہونے والا تلخ تجارتی قضیہ ایک وسیع تر محاذ آرائی کی صرف تمہید ہے۔ ہمارا اتحادی' یورپ اپنے خول میں بند رہتے ہوئے سرد جنگ سے قبل کے تنازعات کو ہوا دے رہا ہے اور اتحاد کے مشترک ہدف کے لئے وہ ہمیں تو خوب ہلا شیری دیتا ہے لیکن خود کوئی کردار ادا کرنے کو تیار نہیں۔

جنگ عظیم دوم کے بعد سے امریکہ یورپی اتحاد کی حمایت کرتا رہا ہے' مشترکہ منڈی قائم ہونے سے اقتصادی بحالی میں مدد بھی ملی اور دو عالمی جنگوں سے پیدا ہونے والی نفرت بھی کم ہوئی ہے لیکن ۱۹۹۱ء کے "ماسٹرچ معاہدہ" کے تحت اتحاد کی حالیہ کوششیں ہماری طرف سے کسی ستائش اور حوصلہ افزائی کی مستحق نہیں۔ جن کی رو سے ۱۹۹۹ء تک ایک واحد یورپی کرنسی چلا کر یورپ کو ایک طرح کی عظیم ریاست میں ڈھالنا ہے۔ ایسی احمقانہ خواہشیں خود یورپ' امریکہ اور پوری دنیا کے لئے نقصان دہ ہیں کیونکہ اس سے بین الاقوامی معاملات میں یورپ کے مثبت کردار کی نفی ہوتی ہے۔

سرد جنگ سے پہلے دور کے بنیادی مسائل سب کے علم میں ہیں۔ یعنی مشرقی یورپ اور سابقہ سوویت یونین میں ایک جمہوری اور خوشحال معاشرے کے قیام میں مدد فراہم کرنا' ایک ایسا باہمی تعاون کا نظام پروان چڑھانا جس کے ذریعے مختلف ممالک کو امن برقرار رکھنے' صحت مند عالمی تجارت میں حصہ لینے اور صاف ستھرے ماحول کے قیام میں مدد مل سکے اور عالمی اقتصادیات میں خاطر خواہ اضافہ کے لئے کوشش لیکن یورپ کی جانب سے ان میں سے کسی ایک معاملے میں بھی دلچسپی کا اظہار نہیں رہا۔

سابق سوویت یونین کے معاملے میں یورپ نے کنجوسی کا مظاہرہ کیا اور یوگو سلاویہ کے معاملے میں مکمل بے اعتنائی برتی۔ پھر اپنی زراعت کے لئے بھاری امدادی قیمتوں کا اہتمام کر کے عالمی تجارتی نظام کو خطرے سے دوچار کر دیا جبکہ اس وقت ضرورت باہمی تعاون کی ہے۔ یورپ کا معاشی بحران اس کا اپنا پیدا کردہ ہے اور اس سے باقی دنیا کے مفادات کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے جس کے اسباب یورپ کی ناقص اقتصادی پالیسیاں' غیر لچکدار یورپی شرح تبادلہ اور اونچی شرح سود ہیں جو جرمنی کے دوبارہ ادغام سے پیدا ہونے والے اثرات کو کم کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہیں۔

یورپ چاہتا ہے کہ امریکہ کے ساتھ اس کی شراکت سپر پاور کی حیثیت سے ہو' مگر مسئلہ یہ ہے کہ یورپ کے پاس عملی اور اخلاقی قیادت نہ ہونے کے برابر ہے۔ عالمی ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان کے پاس عذر یہ ہے کہ ہمیں تو ابھی یورپ کو زیادہ سے زیادہ عالیشان بنانا ہے۔ گویا یورپ کا پیغام امریکہ کو یہ ہے کہ ہماری طرح تم بھی خود غرض بن جاؤ۔ حالیہ تجارتی جھگڑے کو ہی لیجئے' یورپی برادری نے ۱۹۶۲ء میں سویا بین پر اپنا درآمدی برآمدی محصول ختم کر دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں جب سویا بین کی برآمد میں اضافہ ہوا تو یورپی برادری نے اس لہر کو روکنے کے لئے اپنے کسانوں کو فراخدلانہ امداد دے کر انہیں ترغیب دی کہ اب سورج مکھی اور سرسوں کی کاشت بڑھائیں۔ اس سے یورپ میں روغنی بیجوں کی پیداوار ۱۹۷۶ء میں ڈیڑھ ملین ٹن سے بڑھ کر ۱۹۹۱ء میں گیارہ اعشاریہ سات ملین ٹن ہو گئی۔ اسی عرصہ کے دوران میں درآمد جو اصلاً امریکہ سے تھی' سات اعشاریہ چھ سے گھٹ کر چھ اعشاریہ تین ملین ٹن رہ گئی۔ یورپی برادری نے ------ ۱۹۶۲ء میں محصولات میں جو رعائت دی تھی' اسے یہ نئی امداد دے کر عملاً واپس لے لیا جو "گیٹ" (جنرل ایگریمنٹ آن ٹیرف اینڈ ٹریڈ) کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

۱۹۸۹ء میں واشنگٹن نے اس سلسلے میں "گیٹ" سے شکایت کی اور "گیٹ" نے دو مرتبہ ہمارے حق میں فیصلہ بھی صادر کیا مگر یورپ والوں نے اس کی تلافی کرنے پر کوئی توجہ نہ دی۔ ہماری طرف سے خاصے طویل مذاکرات کے بعد رد عمل کے طور پر یورپ سے خوراک کی برآمدات پر دسمبر میں دو سو فیصد محصول عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

عالمی قیادت اتنی باصلاحیت ہونی چاہئے کہ اپنے قومی مفادات کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مفادات پر بھی اس کی نگاہ رہے اور وہ اندرونی طور پر کسی وقتی سیاسی مصلحت سے بالاتر ہو کر اس پر عمل پیرا ہونے کی اہل ہو۔ جنگ کے بعد کی امریکی قیادت اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ہم نے جنگ عظیم دوم کے بعد یورپ اور جاپان کی تعمیر نو میں ان کی مدد کی' ایک مضبوط فوج تیار رکھی اور مقابلتاً کھلی تجارتی حکمت عملی اپنائی لیکن یہی وہ خصوصیات ہیں جن میں یورپ بہت پیچھے ہے۔ تجارت کے میدان میں درپیش اس مصیبت یعنی "گیٹ" کے تعطل سے چھٹکارا حاصل ہو تو جائے گا لیکن تب جب یورپ کو اپنا نقصان سامنے نظر آئے گا اور امریکہ کے سخت رد عمل کے باعث سویا بین کا جھگڑا طے ہونے میں دیر نہیں لگے گی بلکہ "گیٹ" پر وسیع تر گفتگو بھی ہو سکے گی لیکن اس کے باوجود یورپ اپنے ناممکن العمل اور بے مقصد منصوبوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں۔

مشترک یورپی کرنسی کی مثال لیجئے۔ امریکہ میں ایک کرنسی اس لئے کامیاب ہے کہ دوسرے کئی اسباب کے علاوہ لوگ معاشی طور پر کمزور خطے سے بہتر خطے کی طرف نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ لسانی اور ثقافتی لحاظ سے منقسم یورپ میں ایسی لچک کہاں ہے؟۔ اور وہ ایسی اقتصادی حکمت عملی کیسے وضع کر سکتے ہیں جو تمام ممالک کے لئے مفید ہو۔ جرمنی کے یک جا ہونے سے جو تلخ تجربہ ہوا ہے' اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بفرض محال مشترکہ کرنسی چل بھی جائے تو اس سے یورپ کا کون سا فوری مسئلہ حل ہو جائے گا؟۔ اگر سابق سوویت یونین اور مشرقی یورپ بد نظمی کا شکار رہتا ہے تو اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہو گا کہ مغربی یورپ میں کرنسی ایک ہے یا نہیں۔ اس بد نظمی کے سماجی اور معاشی اثرات' مہاجرین کی آمد اور شاید یوگو سلاویہ میں جاری فسادات سے بڑھ کر بد امنی جیسے واقعات سے بھی یورپ محفوظ نہیں رہے گا مگر یورپ نے مشرق میں درپیش ان نازک مسائل سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔

یورپ ایک قوم کے قالب میں نہیں ڈھل سکتا کیونکہ یہ مستقل قومیتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اسے ایک بنانے کی مصنوعی کوشش پر ناپسندیدگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈنمارک نے اسے مسترد کر دیا تھا اور

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج نے سوال یہ اٹھا دیا ہے کہ ...

ہماری قومیت کی بنیاد مذہب ہے یا وطن؟

نعیم اختر عدنان

اس وقت پوری دنیا میں رائج تصور کی رو سے کسی ایک ملک میں بسنے والے تمام لوگوں کو بلالحاظ رنگ و نسل اور زبان و مذہب، ایک "قوم" کا نام دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج قومیت کی اساس و بنیاد وطن ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے وطنی قومیت کے اس معروف و مشہور لیکن کافرانہ و مشرکانہ تصور سے اظہار نفرت ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا ۔ وطنی قومیت کے اس نظریہ کو علامہ اقبال کی مومنانہ فراست نے خوب سمجھا چنانچہ انہوں نے اس باطل تصور پر بھرپور وار کرتے ہوئے فرمایا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں نے متحدہ وطنی قومیت کے اس فلسفے کو رد کرتے ہوئے دو قومی نظریئے کا فلسفہ پیش کیا اور کہا کہ مسلمانوں کی قومیت کی اساس ان کا "وطن" نہیں بلکہ ان کا "دین" ہے۔

اس تصور کی ترجمانی مفکر پاکستان اور ترجمان القرآن نے یوں فرمائی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

واقعہ یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے جس خطے جس علاقے میں بھی بستے ہوں دین و عقیدہ کی نسبت سے وہ ایک امت قرار پاتے ہیں ۔ اسی تصور نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور آزاد و خود مختار ملک کے مطالبے کی راہ سجھائی۔ مسلمانان ہند کی جدوجہد نے تحریک پاکستان کی شکل اختیار کر لی جس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت کا قیام عمل میں آگیا ۔ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک آزاد و خود مختار خطے کی خواہش اس لئے تھی کہ ایک ایسی ریاست ہو جہاں شریعت اسلامی کا عمل زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر اجراء و نفاذ کیا جاسکے۔

علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبہ دیتے ہوئے اسی جانب اشارہ فرمایا کہ ایک ایسا خطہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ اس تجربہ کے لئے سب سے موزوں جگہ ہے اور یہیں وہ اسلامی مرکز (جدید تجربہ گاہ) قائم ہو سکتا ہے جہاں صالح سوسائٹی کی تشکیل، اجتماعی زندگی کی تنظیم، اقتصادی و معاشی مسائل کا حل اور تہذیب و تمدن کی صحیح سمت راہنمائی ہو سکے ۔ جہاں عقیدہ اور عمل، مادیت اور روحانیت اور فرد اور جماعت میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

قیام پاکستان کا محرک یہی تصور تھا اور یہی نظریہ و تصور آج بھی پاکستان کو قائم اور باقی رکھ سکتا ہے کہ اس کے بغیر نہ اس کی کوئی اساس ہے اور نہ بنیاد پاکستان کی اسی نظریاتی اور فکری اساس کو خود بانی پاکستان نے ان الفاظ میں بیان فرمایا "پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے کوشاں تھے، بفضلہ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے، لیکن خود اپنی مملکت کا قیام ہمارے مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا اصل مقصد نہیں تھا ۔ منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ برتے جائیں" (بحوالہ افواج پاکستان سے خطاب ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء) قیام پاکستان کے اصل مقصود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظمؒ کے ایک معتمد ساتھی اور پاکستان کے پہلے وزیراعظم جناب لیاقت علی خان مرحوم نے کہا "ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھالیں، ہم نے ایک ایسی تجربہ گاہ کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جاسکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو جس سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکتی" (بحوالہ نوائے وقت ۸ر جنوری ۱۹۵۰)

اس قدر واضح اور دو ٹوک پالیسی بیان کے ہوتے ہوئے، جو دراصل پاکستان کی نظریاتی اساس ہے، ہم نے اس نظریئے کے ساتھ آج تک جو سلوک کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

پاکستان کے مسلم باشندو! ہم نے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر آج تک پاکستان کے بنیادی مقاصد سے انحراف کی روش اختیار کر رکھی ہے جس کے بھیانک نتائج صرف ہم ہی نہیں پوری امت مسلمہ بھگت رہی ہے۔ بحیثیت قوم ہم نے آج تک دین و شریعت کے احکامات کے نفاذ سے مسلسل گریز و پہلو تہی کی ہے ۔ ہمارا یہ رویہ اللہ اور رسولؐ سے بغاوت و سرکشی کی منہ بولتی تصویر ہے یہی وجہ ہے کہ آج نوبت اس حد تک آن پہنچی ہے کہ قومی شناختی کارڈ میں مذہبی شناخت کے اندراج کے حکومتی فیصلے پر پاکستان میں بسنے والی عیسائی اقلیت کا جارحانہ اور زور دار احتجاج تو پاکستان کی نظریاتی اساس پر جو دو قومی نظریئے پر مبنی ہے، ضرب کاری لگا ہی رہا ہے، ستم بالائے ستم قابل حیرت و افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے سیاسی زعماء اور دانشور طبقہ کے خواتین و حضرات مذہبی شناخت کے اندراج پر برہم ہی نہیں سیخ پا بھی نظر آتے ہیں۔ ہم ایسے سیاسی قائدین اور دانشور حضرات کی خدمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی بات پیش نہیں کرتے کہ انہیں اسلام تو چودہ سو سال پرانا ضابطہ و قانون لگتا ہے، مگر اقبال کی تعلیمات کے تو یہ خود بھی حوالے دیتے ہیں، اس لئے مفکر پاکستان کے اس شعر پر ہی غور فرمائیں۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ارض پاکستان میں قرار داد مقاصد کی منظوری کا معاملہ ہو اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کا مرحلہ ہو، قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا پارلیمانی فتویٰ ہو، وفاقی شرعی عدالت کا قیام اور اس کی طرف سے خلاف

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

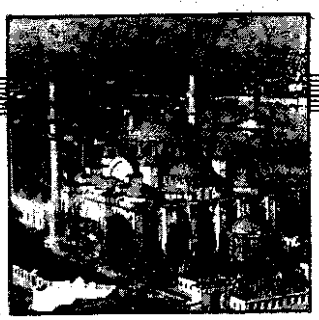

میناروں اور گنبدوں کا شہر' استنبول

قصر توپ کاپی کے در و دیوار پر عروج و زوال کی داستان رقم ہے

حرم پر مادر ملکہ کی حکومت تھی!

خواجہ سراؤں کی فوج میں سیاہ فام بھی تھے اور گورے چٹے بھی

اقتدار احمد

ٹورسٹ لگژری بسوں میں سوار ہو کر ہم ہوٹل سے توپ کاپی کی طرف روانہ ہوئے تو حسب معمول گائیڈ کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ "خواتین و حضرات! ہم گولڈن ہارن سے چل کر ہالیج (خلیج) کو عبور کرتے ہوئے اس مقام کی طرف جارہے ہیں جہاں آبنائے باسفورس بحر مرمرہ میں کھلتا ہے۔ عین اسی جگہ ساحل پر قصر توپ کاپی واقع ہے۔ اور ہاں ابھی جن تنگ دروں سے آپ نے ٹریفک کو بمشکل گزرتے دیکھا اور خود آپ کی کوچ نے بھی بہت احتیاط سے ایک ایسا ہی سنگین در عبور کیا ہے' دیکھئے کہ ان کے اوپر سے خاصی بلندی پر بازنطینی "ایکواڈکٹ" گزر رہی ہے۔ یہ اگلے زمانے میں پانی کی سپلائی کا انتظام تھا"۔ اور مجھے یاد آیا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے بھی اپنی پیتی بیوی زبیدہ کی فرمائش پر ایک "ایکواڈکٹ" بنوائی تھی جو طائف

ترکی کے سفرنامے میں ایک ماہ سے زیادہ کا تعطل آگیا اس لئے سلسلہ کو جوڑنے کے لئے یہ لکھنے کی ضرورت پیش آرہی ہے کہ اس صحبت میں یکم اگست کی بات ہو رہی ہے جو استنبول میں ہمارے قیام کا چوتھا دن تھا۔ اس روز ہمیں توپ کاپی کے عجائب گھر جانا تھا جس کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مرقد مبارک پر فاتحہ خوانی اور انہی کے نام سے منسوب ملحقہ مسجد میں مغرب کی نماز کی ادائیگی کا پروگرام تھا۔ قصر توپ کاپی جو اب ایک میوزیم ہے' سلاطین و خلفائے عثمانی کا صدیوں مستقر رہا اور یہ ان کے عروج کا زمانہ تھا۔ اسے قدیم اور دقیانوسی جان کر جب سلطان عبدالحمید اول نے اپنے لئے ایک نیا محل' قصر ڈولماباشی تعمیر کرایا تو یہ اگرچہ جدید ترین یورپی فن تعمیر کے حسین و جمیل اور پرشکوہ شاہکار کی شکل میں سامنے آیا لیکن اسی تعمیر میں خرابی کی صورت مضمر تھی جو سلطنت و خلافت عثمانی کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی کیونکہ قصر ڈولماباشی کی تکمیل اور پھر تزئین و آرائش پر مصاحبین دربار کے بڑھاوے میں آکر سلطان نے بے دریغ دولت لٹائی یہاں تک کہ خزانہ خالی ہوگیا۔ پھر دنیا جہاں سے اور خود ترکی میں آکر پناہ لینے والے یہودیوں سے قرض لینے کی نوبت آئی تو اس کی بھی انتہا نہ رہی اور سلطان کا بال بال قرض میں بندھ گیا۔ یہ ذکر بھی آیا تھا کہ چھوٹی چھوٹی سی داڑھیوں والے دو ترک نوجوانوں نے ہم دونوں بھائیوں کو بڑے رازدارانہ انداز میں رات کے کھانے کی دعوت بھی اسی روز دی جب ہم توپ کاپی کی طرف روانگی کے انتظار میں ہوٹل کے لاؤنج میں ٹہل رہے تھے۔ ان سے دو روز قبل بھی میری ایک ملاقات ہوئی تھی جس میں ان کے پراسرار سے انداز کا مطلب میں نے یہ لیا تھا کہ یہ نوجوان کسی اسلامی انقلابی تحریک سے وابستہ ہیں جو سیکولر ترکی کے قوانین کی گرفت سے بچنے کے لئے شاید زیر زمین کام کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں گفتگو کے لئے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی تھی جسے انہوں نے قبول تو کیا لیکن پھر تشریف نہ لائے۔

ضمناً" اس تعطل کی شان نزول بھی عرض کر ہی دوں جو سفر ترکی کی روداد لکھنے میں آیا ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس کے آغاز میں ہی گزارش کی تھی کہ اپنے سفر ناموں کو ضبط تحریر میں لانے کا کام بہت لمبے وقفے کے بعد شروع کر رہا ہوں اور اگر اسے پسند کیا گیا تو جاری بھی رکھوں گا۔ خاصا گھوما پھرا ہوں کہ چکر تھا مرے پاؤں میں' زنجیر نہیں تھی۔ صبح سفر' شام سفر اور زندگی کا انجام بھی تو ایک سفر ہی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی روداد سنائی نہ جاسکے گی۔ یہ بات ابھی زیادہ پرانی نہ ہوئی تھی کہ جمعہ ۲۳ر اکتوبر کو اس سفر کا مرحلہ بھی آگیا جو آخری ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس میں اردو کا "سفر" تو تھا ہی' بزبان انگریزی بھی "سفر" (Suffer) کرنا پڑا۔ میں اپنے تینوں بیٹوں کو لے کر خود کار ڈرائیو کرتا ہوا ڈیڑھ پونے دو سو میل کے سفر پر نکلا اور منزل پر پہنچنے سے کچھ پہلے اپنی گاڑی کو ایک ٹرک سے ٹکرا بیٹھا۔ آمنے سامنے کی ٹکر تھی اور شدت میں یہ حادثہ اس حادثے سے کچھ کم تو تھا لیکن بہت زیادہ بھی نہیں جس میں چھ سال پہلے میرا ایک لخت جگر' احمد اور ایک خواہرزادہ' طاہر جو میرا داماد بھی تھا اور کاروبار میں دست راست بھی' دونوں پھول اپنی کار میں ہی مسلے گئے اور آناً فاناً اپنے رب سے جاملے۔ اللہ کے حساب میں ان عزیزوں کے سانس پورے ہو چکے تھے' ہمارے باقی تھے لہٰذا بچایا تو درحقیقت اسی نے تاہم عالم اسباب میں ہمارا بچ رہنا گاڑی کی مضبوطی اور اس کے بھاری پن کا مرہون منت ہے۔ میرے جسم کو بس ایک جھٹکا اور ذہن کو ایک دھچکا ہی لگا' دو چھوٹے بیٹے معمولی زخمی ہوئے اور الحمدللہ کہ اب بالکل ٹھیک ہیں البتہ بڑے بیٹے کو دو ڈھائی ماہ کے لئے معذوری لاحق ہوگئی کیونکہ ایک ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا ہے تاہم پریشانی کی بات یہ ہے کہ میرا پورا کاروبار اسی نے سنبھال کے مجھے بالکل فارغ کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کی جان بخشی' اب اس پریشانی سے بھی وہی نجات دیں گے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔ (اقتدار احمد)

کے چشموں سے میٹھا پانی عرفات اور منیٰ کے میدانوں میں پہنچاتی اور صدیوں حجاج کی ضروریات پوری کرتی رہی ۔ یہ بھی انجینئرنگ کا ایک شاہکار تھی اور اپنے پہلے حج کے موقع پر ۱۹۶۸ء میں تو میں نے بھی اس کے آثار دیکھے 'اب شاید توسیع کی لپیٹ میں آکر یہ معدوم ہوگئی ہے اور کہیں اس کا کوئی ٹکڑا باقی ہو تو پیچھے کسی مقام پر ہوگا جہاں حجاج کی رسائی نہیں ۔ دراصل خانوادہ سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے مزاج کے زیر اثر ان آثار قدیمہ کو محفوظ کرنے سے جان بوجھ کر احتراز کیا ہے جن کا تعلق رسوم عبادات اور ہماری دینی تاریخ سے ہے ۔ اس میں جو حکمت ہے 'وہ سمجھ میں تو آتی ہے اور کم از کم مجھے اس پر کچھ بہت اعتراض بھی نہیں لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر ذرا اعتدال سے کام لیا جاتا اور ان چیزوں کے کچھ نہ کچھ نشانات برقرار رکھے جاتے جن سے عقیدت کے جذبات کے علاوہ تاریخی دلچسپی بھی وابستہ ہے تاکہ محرومی کا اتنا شدید احساس تو زائرین کو نہ رہتا جس کا داغ اب وہ دلوں پر لے کر واپس آتے ہیں۔

توپ کاپی کے بیرونی صدر دروازے سے ہم بس میں بیٹھے بیٹھے محل کے احاطے میں داخل ہوئے جس نے تھوڑا سا اندر آکر سواریاں اتار دیں ۔ آگے پیدل جانا تھا اور یہ فاصلہ بھی فرلانگ بھر سے کچھ زیادہ ہی ہوگا جو ہم نے تراشیدہ پتھروں سے بنی ہوئی سڑکوں اور سنگین فٹ پاتھوں پر چل کر طے کیا ۔ استنبول میں ہموار راستے پائے ہی نہیں جاتے 'نشیب و فراز یہاں کی خصوصیت ہے چنانچہ توپ کاپی میں بھی چلنے کے ساتھ چڑھنے کا عمل منتظر تھا ۔ میرا تو سانس پھول گیا 'برادر محترم بھی اپنے گھٹنوں میں درد کے باعث یقیناً تکلیف محسوس کر رہے ہوں گے ۔ کہنے لگے "عجب ستم ظریفی ہے 'میں نے لاہور کا عجائب گھر اور شاہی قلعہ تو آج تک دیکھا نہیں 'یہاں آکر "سیاح" بنا پھرتا ہوں"۔ ہر گائیڈ نے اپنے اپنے گروپ کا الگ حلقہ بنایا تاکہ ٹکٹ خریدنے کے لئے اسے گنتی میں سہولت رہے اور بارہ سال سے کم عمر کے سیاحوں کا شمار بھی ہوسکے جن کے لئے اسے نصف ٹکٹ خریدنے تھے۔ ٹکٹوں کی خریداری کے مرحلے سے گزر کر ہمارے گائیڈ نے انہیں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیا اور تاکید کی کہ اب کوئی صاحب یا صاحبہ گروپ سے بچھڑنے کی صورت پیدا نہ ہونے دیں ورنہ بہت دشواری ہوگی کیونکہ اندر بہت ازدحام ہے توپ کاپی میں داخل ہوتے تک دوپہر کے کھانے کا وقت ہوچکا تھا چنانچہ ہم محل کی داخلی سڑکوں پر مارچ کرتے ہوئے سب سے پہلے توپ کاپی کے کونیالی ریستوران پہنچے۔ یہ ریستوران محل کا حصہ تو ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی عمارت پہلے کسی اور استعمال میں آتی ہوگی جسے اب سیاحوں کی سہولت کے لئے ایک اچھی لیکن مہنگی طعام گاہ میں تبدیل کردیا گیا ہے ۔ یہاں پہنچنے کے لئے ہمیں تیس چالیس سیڑھیاں اترنی پڑیں کیونکہ ریستوران کا محل وقوع اس عمودی ڈھلوان میں ہے جو بحر مرمرہ کی جانب اترتی ہے ۔ میزوں کے گرد نشستیں سنبھالیں تو ایک خوبصورت منظر ہمارے سامنے کھلا ہوا تھا ۔ باسفورس کے بحر مرمرہ سے اتصال کے اس مقام پر پانی کی چوڑائی ایک میل کے لگ بھگ ہوگی جس کے پار ایشیائی استنبول کی رہائشی عمارات سے سجی ہوئی ڈھلوانیں دامن دل کو کھینچتی ہیں ۔ ایک طرف چھوٹی سی گودی تھی جہاں چھوٹے جہازوں کو لادا یا خالی کیا جارہا تھا۔ جا بجا سمندری جہاز 'خوبصورت بجرے اور چھوٹی بڑی کشتیاں اپنے پیچھے جھاگ کی لکیریں چھوڑتے آتے جاتے دکھائی دیئے ۔ جن لوگوں کے پاس کیمرے تھے انہوں نے مختلف زاویوں سے تصویریں بنانی شروع کردیں تاہم اکثریت نے اس خوشگوار ہوا میں گہرے سانس لینے اور نگاہوں میں ان مناظر کو محفوظ کرلینے پر اکتفا کی۔ کھانا حسب توقع اشتہا آور اور عمدہ تھا 'خوب کھایا گیا چنانچہ واپسی پر سیڑھیاں چڑھنا دوبھر ہوگیا۔

ہمارے گروپ کو لے کر گائیڈ صاحب اوپر پہنچے تو انہیں یاد دلایا گیا کہ ظہر کا وقت ہوگیا ہے اور آگے جانے سے پہلے ہم نماز سے فراغت حاصل کرنا پسند کریں گے ۔ ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ساتھ ہی تھی بلکہ فی الحقیقت اس وقت ہم اسی کے سائے تلے کھڑے تھے۔ یہ مسجد محل ہی کا حصہ تھی اور اسی طرز تعمیر کی نمائندہ جو استنبول کی مشہور و معروف مساجد کا طرۂ امتیاز ہے ۔ قدرے انتظار کرکے ہم نے اپنے ساتھیوں میں سے نمازیوں کو جمع کیا اور پھر باجماعت ظہر کا دوگانہ ادا کیا ۔ امامت برادر محترم نے کرائی لیکن وہ ظہر کی قصر کے بعد پیچھے ہٹ گئے کیونکہ بیشتر مقتدی ساتھ کے ساتھ عصر کو بھی بھگتا دینے کے موڈ میں تھے ۔ ان میں سے ایک صاحب آگے بڑھے اور پیچھے اس امام کے اللہ اکبر۔ ہم نے یہ چند منٹ باہر ٹہل کر گزارے اور جونہی باقی ساتھی فارغ ہوئے 'ہمارا گروپ اپنے گائیڈ کی رہنمائی میں توپ کاپی کو سر کرنے بڑھا لیکن بھرے پیٹ کے ساتھ پیدل چلنا خاصا ہی دشوار ہوتا ہے ۔ گائیڈ سے بار بار کہنا پڑا کہ بھائی زبان چاہے اسی تیزی سے چلاتے رہو لیکن قدم ذرا رک رک کر اٹھاؤ۔

توپ کاپی کی سیر کے لئے ایک پورا دن بھی کم ہے ۔ عمارات کے سلسلوں میں سے ہر ایک کوئی نہ کوئی کہانی سناتا ہے ۔ سلاطین اور خلفائے عثمانی کس طرح رہتے بستے تھے ۔ حرم میں مادر ملکہ کی کیا حیثیت ہوتی تھی جو چالیس کمروں پر مشتمل رہائش گاہ میں رہتے ہوئے درجنوں کنیزوں کے ساتھ محل پر حکومت کرتی تھی ۔ یہاں اس کا حکم اسی طرح چلتا جیسے پوری سلطنت پر سلطان کا چلتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ حرم میں داخل ہونے والی ہر خوش نصیب لڑکی کی خواہش ہوتی کہ سلطان کے پہلے بیٹے کی ماں وہ خود بنے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ کل کو اس کا بیٹا تخت نشین ہوگا اور خود وہ مادر ملکہ بن کر عمر بھر راج کرے گی ۔ اس اعزاز کے حصول کے لئے سلطان وقت کی بیگمات اور ان گنت منہ چڑھی کنیزیں کیا کچھ جتن نہ کرتی ہوں گی!۔ حرم کی وسیع و عریض حدود میں سلطان کے سوا کسی مرد کا گزر ممکن نہ تھا کیونکہ شہزادوں پر بھی سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد کڑی پابندیاں عائد کردی جاتی تھیں ۔ مرد نما غلام اور خدام سب کے سب خواجہ سرا ہوتے 'سیاہ فام بھی اور گورے چٹے بھی۔ سیاہ فام خواجہ سراؤں کی حسب ضرورت فراہمی مصر کے حاکم کی ذمہ داری تھی جو افریقہ سے کم سن لڑکوں کو خرید کر جوہر مردانگی سے محروم کرواتا اور پال پوس کر محل میں بھیجتا تھا۔ یورپی لڑکوں کے ساتھ یہی سلوک کسی اور جگہ ہوتا اور یوں دو تین ہزار بے ضرر خدام پر مشتمل وہ فوج تیار ہوتی اور ہر آن تیار رکھی جاتی جو چار سو کمروں کے صرف حرم کی ضروریات پوری کرنے کو درکار تھی جس کے دس بڑے کمروں پر مشتمل باورچی خانے میں پانچ سے سات ہزار افراد کے لئے کھانا تیار ہوتا تھا۔

یہ حرم قصر توپ کاپی کا محض ایک مخصوص حصہ تھا جہاں چڑیا کو بھی پر مارنے کی اجازت نہ تھی ورنہ پونے دو سو ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا یہ محل در حقیقت سلطان کے سیکرٹریٹ کا کام بھی دیتا تھا ۔ سربراہ حکومت کے روز و شب اسی میں بسر ہوتے اور شاہی سواری اس کے دروازے سے صرف اس وقت برآمد ہوتی تھی جب کوئی بیرونی سفر درپیش ہو یا کسی مہم کا موقع نکل آئے ۔ شاہی ٹکسال اسی میں تھی 'وزارت خزانہ بھی یہیں تھی اور سنگین جرائم کی پاداش میں جلاد کے حوالے کئے جانے والوں کے سر بھی

اسی کے ایک حصے میں ٹانگے جاتے تھے۔ محل میں ایک بڑا شفاخانہ بھی تھا اور پورے قصر توپ کاپی میں بس یہی جگہ تھی جہاں الکحل کے بطور دوا استعمال کی اجازت تھی ورنہ درخت رز کا داخلہ اس پونے دو سو ایکڑ کے علاقے میں بالکل بند تھا۔ دربار عام اور دربار خاص بھی جس میں بیرونی ممالک کے سفیر اذن باریابی پاتے ' توپ کاپی میں واقع تھا۔ وزراء اور مشیروں کے اجلاس کے لئے ایک خاص وضع کا ایوان الگ تھا جس میں سلطان بلندی پر واقع ایک ایسے بغلی کمرے میں فروکش ہوتا تھا جہاں سے وہ نظر تو نہ آئے لیکن ایوان میں ہونے والی گفتگو ہی نہیں ' سرگوشیاں بھی سن سکے۔ یہاں ہونے والے مشوروں سے نتائج اخذ کر کے وزیراعظم سلطان کی خدمت میں باریاب ہوتے اور آخری حکم لے کر پلٹتے تھے۔

محل کے مختلف حصوں میں اب اس ساز و سامان کی نمائش ہوتی ہے جو یہاں زیر استعمال تھا۔ البتہ حرم کے اس حصے میں جو سلطان کے لئے مخصوص تھا ' زیادہ قیمتی نوادر کو جمع کیا گیا ہے۔ قدیم سکے ' شاہی ہتھیار ' آلات حرب و ضرب ' دوسرے بادشاہوں سے موصول ہونے والے قیمتی تحائف ' لعل و جواہر سے اٹے ہوئے سونے چاندی کے بنے تخت اور نشستیں ' خالص سونے کے بھاری شمع دان اور حرصع سامان آرائش ' غرض کیا کیا گنوایا جائے۔ ان چند کمروں میں سیروں ہیرے جواہرات اور منوں سونا پڑا ہے جسے ہم تو صرف دیکھ ہی سکتے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ اپنے مالکوں کے بھی یہ کس کام آیا؟۔ ہم ان کمروں میں سے گزرتے چلے گئے ' ایک اچٹتی نگاہ سے زیادہ یہ کس قابل تھے لیکن اسی حرم خاص کے ایک اور گوشے میں تین کمروں پر مشتمل ایک نمائش گاہ ایسی بھی ہے جسے اب میوزیم قرار نہیں دیا گیا بلکہ سلاطین و خلفاء کے زمانے میں بھی یہ نواردات ہی کا ذخیرہ تھی اور سلاطین سال میں ایک بار ۱۵ر رمضان المبارک کو بڑے اہتمام اور نہایت ادب سے اس کی زیارت کیا کرتے تھے۔

یہ میوزیم تین کمروں پر مشتمل ہے۔ ایک نسبتاً بڑا ہے اور باقی دو چھوٹے کمرے اس سے ملحق ہیں۔ چھوٹے کمروں میں سے ایک میں سب سے بیش بہا نوادر محفوظ ہیں اور دوسرے میں ہر آن تلاوت قرآن پاک ہوتی ہے۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے منسوب کئی اشیاء خلفائے راشدینؓ کی زرہیں اور تلواریں اور متعدد ایسی چیزیں رکھی گئی ہیں جنہیں بس چلے تو مسلمان چوم چاٹ کر ہی معدوم کردیں۔ شاید اسی لئے انہیں بہت مضبوط شوکیسوں میں محفوظ کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر چیزیں ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم اول مصر کی فتح کے بعد قاہرہ سے لائے تھے۔ حضورؐ کی ریش مبارک کے بال میں باوجود کوشش کے نہ دیکھ سکا۔ چھوٹے سے کمرے میں آدمی پر آدمی چڑھا ہوا تھا اور ہر آن کسی نہ کسی طرف سے دھکا سا پڑتا جبکہ ان باریک سے تبرکات کو دیکھنے کے لئے نگاہوں کو اس چھوٹے سے ڈبے پر مرکوز کرنے کی ضرورت تھی جس میں لگے شیشے کے پار انہیں لٹکایا گیا تھا البتہ دوسری کئی چیزوں کی زیارت ہوگئی۔ پائے مبارک کا نقش ' حضورؐ کی مہر مبارک ' ہرن کی کھال پر لکھا ہوا نامہ مبارک اور آپؐ کی لحد کی حاصل کی گئی ذرا سی خاک۔ اسی کمرے میں حضورؐ کی کمان اور طلائی قبضے والی ایک تلوار بھی موجود ہے۔ بڑے کمرے میں حجر اسود کا طلائی خول ' خانہ کعبہ کے دروازے کا ایک ٹکڑا ' ایک پرانا میزاب (لکڑی سے بنا ہوا پرنالا) ' کعبہ کا ایک تالا اور اس کی چابی اور غلاف کعبہ کے کچھ پارچوں کے علاوہ خلفائے راشدین کی تلواریں محفوظ کی گئی ہیں۔

تیسرے بغلی کمرے میں زرق برق لباس میں ملبوس ایک قاری سامنے ایک خوبصورت رحل پر قرآن مجید رکھے تلاوت میں مصروف ہیں جسے قراءت اور ترتیل کے بین بین کا سا انداز قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کی آواز ایک ہلکے ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے ان تینوں کمروں میں مسلسل گھلتی رہتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سلاطین و خلفائے عثمانیہ کے زمانے میں یہاں چھ خوش الحان قاری متعین تھے جو باری باری یہ فریضہ انجام دیتے۔ متبرکات کے ان کمروں میں دن کے چوبیس گھنٹے اور سال کے تین سو پینسٹھ دن یہ سلسلہ جاری رہتا تھا اور چھ قاریوں کی موجودگی میں ہفتہ واری رخصت ' اتفاقیہ چھٹی اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایک آدھ قاری کے غائب ہونے پر بھی یہ تسلسل ٹوٹتا نہیں تھا۔ ترکی کے جمہوریہ بننے کے بعد قاریوں کی تعداد چھ سے گھٹا کر چار کردی گئی اور اب یہ صرف دو رہ گئی ہے ' جس کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں تلاوت موقوف ہوتی ہوگی جن میں توپ کاپی سیاحوں کے لئے بند ہوتا ہے۔ کیا عجب کچھ عرصے بعد کسی منتظم کے ذہن میں یہ بات بھی راسخ ہوجائے کہ اس تکلف کی کیا ضرورت ' آڈیو کیسٹ سے کیوں نہ کام چلایا جائے!۔ توپ کاپی کے اس حصے میں غیر مسلم خواتین و حضرات کا آزادانہ گھومنا پھرنا اچھا نہ لگا ' خاص طور پر ان عورتوں کا جو نیم برہنہ تھیں یا پھر لباس میں بھی عریاں۔

توپ کاپی سے نکلے تو تھک کر چور ہوچکے تھے لہٰذا ہم نے ایک اور میوزیم دیکھنے کے پروگرام کو ترک کر کے اپنے گروپ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ایک سیلوکیب پکڑی اور ہوٹل کا رخ کیا تاکہ ذرا ستانے کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر واپس آجائیں اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر پر فاتحہ میں شریک ہونے کے علاوہ حسب پروگرام مسجد ابوایوبؓ میں نماز مغرب بھی اکٹھے ادا کریں۔ توپ کاپی کی سیر سے بھرپائے تھے اور داغ حسرت دل میں بڑی دیر تک سلگتا رہا۔ بودو باش کا یہ انداز جس کے آثار وہاں دیکھے ' مسلمان حکمرانوں کو تو زیب نہیں دیتا۔ اس نے تو قیصر و کسریٰ کو بھی ہلاک کر ڈالا اور دارا و سکندر کے زوال پر بھی مہر لگادی۔ مسلمانوں کو اگر اسی اوج ثریا کی خواہش ہے جس کی یاد تو دلوں کو آج بھی گرماتی ہے لیکن بحالات موجودہ جو خواب و خیال ہو کر رہ گیا ہے تو مسلمانوں کے حکمرانوں کو بانداز دگر وہی درویشی اختیار کرنی ہوگی جس پر فغفوری قربان جاتی ہے۔ کیا ایسا کوئی دور روئے زمین پر پلٹ کے آئے گا ' کیا گردش ایام پیچھے کی طرف لوٹ سکے گی؟۔ عالم اسباب میں اس کا کوئی امکان نظر تو نہیں آتا لیکن اللہ کی قدرت سے کیا بعید ہے اور پھر اس وعدے کو تو بہرحال پورا ہو کر رہنا ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشینگوئی کی شکل میں کیا ہے یعنی یہ کہ پورے کرہ ارضی پر آخر کار اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہوگا اور "اظہار دین الحق علی الدین کلہ" کی عملی تفسیر اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگی۔ کاش ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے!۔ ہمارے لئے تو شاید کاتب تقدیر نے زیادہ سے زیادہ یہ اعزاز لکھا ہے کہ اس خواب کی تکمیل میں جسم و جان کی توانائیاں صرف کرتے رہیں اور دنیا سے چاہے نامرادی کا صلہ پائیں لیکن آخرت کی فلاح کا انتظام کرلیں--- اور اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام کیا خوب ہے کہ دنیا میں اپنے دین کے لئے کام کرنے میں ہمارے لئے آخرت کی کمائی رکھ دی ورنہ کیا وہ ہماری اس خدمت کا محتاج ہے؟۔ وہ صرف "کن" کہے تو "فیکون" کا نتیجہ آناً فاناً برآمد ہوجائے ' آن کی آن میں پوری دنیا پر دین حق کا سکہ چلنے لگے۔

غروب آفتاب سے خاصا ہی پہلے ہم ٹیکسی پکڑ

کر EYUP SULTAN CAMI پہنچ گئے - جی ہاں' جامع حضرت ابو ایوبؓ کا ترکی زبان میں یہی نام ہے اور ایوب کی ہجے بھی یہی ہے - اسے کمپوزنگ کی غلطی نہ سمجھئے۔ 'ب' کسی لفظ کے درمیان یا شروع میں آئے تو 'B' ہوتی ہے' آخر میں ہو تو 'P' بن جاتی ہے۔ 'C' کے بارے میں پہلے ذکر آچکا ہے کہ 'ج' کی آواز دیتی ہے' 'د' کے ساتھ بھی ظلم یہ کیا گیا ہے کہ لفظ کے شروع میں یا کہیں بیچ میں آئے تو 'D' کے حرف سے بدل جاتی ہے لیکن آخر میں ہو تو اس کی جگہ 'T' لے لیتی ہے چنانچہ احمد اور محمد کے ہجے AHMET اور MOHAMET ذوق سلیم پر بڑے ہی ناگوار گزرتے ہیں - لاہور میں جس ماہر تعمیر نے مینار پاکستان کا نقشہ بنایا وہ یہیں آباد تھے اور نسلاً ترک تھے۔ ان کا نام MURATKHAN پڑھ کر دماغ میں کھلبلی ہوتی تھی کہ یہ "مرات" یا "مورت" کیا ہوا؟۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھاک مراد خان تھے۔

میزبان رسولؐ ابو ایوب انصاریؓ نے الصادق المصدوقؐ کی یہ نوید گرہ میں باندھ رکھی تھی کہ مسلمانوں کا جو لشکر پہلی بار شہر قیصر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو گا' اس میں شریک سب مجاہدین بخشے جائیں گے چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب ان کے فرزند یزید کی قیادت میں اس غرض کے لئے اسلامی فوج روانہ ہوئی تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس بڑھاپے میں بھی جسے ارذل العمر کہا جاتا ہے' اس فوج کے ساتھ ہو لئے۔ اللہ کی طرف سے مغفرت کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے وہ صحابہؓ بھی کس حد تک جانے کے لئے تیار رہتے تھے جن کی عاقبت ہمارے نزدیک بالکل محفوظ تھی!۔ ایک جلیل القدر صحابیؓ کے اس بڑھاپے میں ذوق و شوق کا اندازہ کرنے کے لئے ان کی کبر سنی کا خیال کیجئے اور یہ بھی دیکھئے کہ کتنی مسافت طے کر کے کیسی مشکل مہم سر کرنے کا پروگرام تھا۔ ایک صحابی رسولؐ کو مشت خاک سے تشبیہ دیتے جھرجھری سی آتی ہے ورنہ اقبال کا یہ مصرعہ اس صورت حال پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ "گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں"۔۔ اسلامی فوج بہت عرصہ اس قلعہ کا محاصرہ کئے بیٹھی رہی لیکن بات چھوٹی موٹی جھڑپوں سے آگے نہ بڑھ پائی۔ رومیوں کو کیا فکر تھی' آرام سے ایک ناقابل تسخیر قلعے میں جم کر بیٹھے رہے جس کی فصیل سے گاہے گاہے مسلمانوں کے ان دستوں پر تیروں کی بارش کی جاتی جو قلعے کے قریب آنے کی ہمت کرتے تاکہ قلعے میں داخلے کا کوئی راستہ یا فصیل کا کوئی کمزور گوشہ تلاش کر سکیں۔

اسی دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مہلت عمر ختم ہو گئی اور وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہونے کی آرزو لئے اپنے رب کے حضور جا پہنچے۔ وصیت یہ کر گئے تھے کہ مجھے فصیل کے اتنے قریب جا کر دفن کرنا جتنا آگے جانا ممکن ہو چنانچہ لشکر کے سالار نے دشمن کو پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ایک محترم و بزرگ ساتھی کو دفنانے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں اور تمہاری فصیل کے سائے میں انہیں سپرد خاک کریں گے۔ اس عمل کے دوران تمہاری طرف سے کوئی شرارت ہوئی تو کان کھول کر سن لو کہ ہم سے برا کوئی نہ ہو گا اور بعد میں بھی کسی وقت اگر تم نے ان کے مرقد کی بے حرمتی کی تو یاد رکھنا کہ ہماری سلطنت کی حدود میں بھی تمہاری ہم مذہب اقلیتیں آباد ہیں اور چین کی بانسری بجاتی ہیں۔ چنانچہ تدفین کا یہ مرحلہ پورے امن و سکون سے طے ہوا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ آج تک اسی جگہ آسودۂ خاک ہیں جہاں اسلامی لشکر نے انہیں زمین کے پیٹ میں اتارا تھا۔۔(باقی باقی)

بقیہ: توجہ طلب

اسلام احکامات کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے ہوں یا قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اندراج کا فیصلہ ہو' یہ ناعاقبت اندیش اور بیمار ذہنیت کے حامل لوگ مخالفت میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کے وجود کو گھن کی طرح کھا جانے والے یہ "عناصر" ہمیشہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسولؐ اور مسلمانوں سے تعلق و دوستی کی بجائے یہود ہنود اور قادیانیوں اور عیسائیوں کے ساتھ وابستگی و یکجہتی کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیں گے جبکہ ایک کلمہ گو مسلمان کو تو اپنی محبت و عقیدت کا مرکز اللہ تعالیٰ کو' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بنانا چاہیے کہ یہی ایمان و اسلام کا تقاضا و مطالبہ ہے۔

پاکستان کے مسلمانو! سود کی حرمت کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور قومی شناختی کارڈ میں مذہبی شناخت کے اندراج کے فیصلے کے خلاف اقلیتوں اور ان کے حامیوں اور سرپرستوں کا رویہ جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کی طرح سامنے آ ہی گیا ہے تو تم بھی اٹھو اور اپنا ایمانی و دینی فریضہ بجالاتے ہوئے پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ تاکہ نظام خلافت کے قیام کے لئے نبویؐ طریق کار کو مشعل راہ اور اسوہ قرار دے کر اس راہ میں اپنے جان و مال اور وقت اور صلاحیتوں کو اس طور سے لگاؤ کہ ہماری یہ جدوجہد "وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ" یعنی "اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں جیسا کہ اس کا حق ہے" کے قرآنی الفاظ کی عملی تعبیر بن جائے۔ ایسی بے مثال جدوجہد کے بعد بھی ہماری زبانوں پر یہی ہو کہ۔

جان دی ' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دینی جماعتوں کے قائدین اور ان کے اراکین و وابستگان سے خصوصی طور پر گزارش ہے کہ وہ دین حق کے غلبہ کی راہ میں مزاحم ہونے والی مشرکانہ و کافرانہ اور منافقانہ سازشوں کا تاروپود بکھیرنے کے لئے "و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" کے خدائی حکم کو اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی کا اصول بنا کر اقبال کی اس خواہش کو پورا کر دکھائیں کہ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اگر ایسا ہوا تو ان شاء اللہ اسی لمحے حزب اللہ وجود میں آجائے گی جو ایمانی جذبے کی قوت کے بل پر شیطانی پارٹی اور اس کے کارندوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر جہاد کر سکے گی۔ اس کے بغیر نہ دین کا غلبہ و نفاذ ممکن ہے اور نہ ہی فتنہ و فساد کا خاتمہ۔ آیئے ہم سب ملکر دین اللہ کے حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ایسا آخر کیوں نہ ہو کہ۔

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں' میں اسی لئے نمازی

بصورت دیگر پہلے کی طرح اگر ہم نے اپنے طرز عمل کی اصلاح نہ کی اور ہم سب حسب سابق اپنے دین و وطن کی اساس پر کلہاڑا چلانے والوں کو کھلی چھوٹ دیتے رہے تو جو انجام ہمارا ہوگا اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

○ ایسی بلندی... ایسی پستی ○

ایک مرد درویش جس نے ایک عالمی تحریک کو جنم دیا اور مسلمان قوم کا ایک زعیم جو اپنوں کے لئے فولاد اور غیروں کے لئے بریشم ہے

مولانا الیاسؒ کی سوانح حیات

مشہور عالم دین اور تبلیغی جماعت کے بانی کا تاریخی نام اختر الیاس تھا' ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد اسماعیل تھا۔ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ بعد میں دہلی آبسے۔ والدہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی نواسی تھیں۔ خاندانی دستور کے مطابق سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ بعد ازاں بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ اپنے ساتھ گنگوہ لے آئے اور خود ہی پڑھانا شروع کردیا۔ ابھی آپ کی عمر دس گیارہ برس کی تھی۔ گنگوہ اس وقت بڑے بڑے علماء و صلحاء کا مرکز بنا ہوا تھا' چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت اسی مقدس ماحول میں ہوئی۔ طالب علمی کے زمانہ میں بہت سخت بیمار ہوئے جب بیماری دور ہوئی تو پھر پڑھنا شروع کیا اور دیو بند میں شیخ الہند محمود الحسن صاحب سے ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔

مولانا الیاس نے گنگوہ میں طالب علمی کے زمانہ ہی میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کرلی تھی۔ ۱۳۲۳ھ ر ۱۹۰۵ء میں حضرت گنگوہی کے انتقال کے بعد مولانا کا زیادہ تر وقت خلوت اور مراقبہ میں بسر ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں انہوں نے بڑا مجاہدہ کیا۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری کہتے تھے کہ مولانا الیاس سے تبلیغ و اشاعت دین کا جو کام لیا گیا اور انہیں جو مقبولیت اور مرجعت حاصل ہوئی اسی مجاہدے کا نتیجہ اور ثمرہ ہے ۱۳۲۸ھ ر ۱۹۱۱ء میں مظاہر العلوم سہارنپور میں بطور مدرس تقرری ہوئی۔ بعد میں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات پر دہلی میں اپنے والد اور بھائی کی مسند اور مدرسہ کو سنبھالا۔

میواتیوں کو مولانا سے بہت زیادہ محبت تھی۔ کیونکہ بہت سے میواتی ان کے والد اور بڑے بھائی کے شاگرد و مرید تھے۔ انہوں نے مولانا سے میوات تشریف لے جانے کو کہا۔ میوات کا علاقہ غیر متمدن تھا اور اب تک تعلیم سے محروم تھا۔ مولانا نے ان لوگوں کی بات اس شرط پر قبول کی کہ وہ میوات میں دینی مدرسے قائم کریں چنانچہ انہوں نے یہ کام کرنے کی شرط قبول کی۔ اگرچہ یہ ان کے لئے بڑی دشوار گزار بات تھی چنانچہ مولانا میوات تشریف لے گئے اور کچھ ہی عرصہ بعد میوات کے علاقہ میں دینی مدارس کی تعداد سو کے لگ بھگ ہوگئی جو مولانا الیاس کے اخلاص اور سوز کا نتیجہ تھی لیکن بعد میں مولانا کی طبیعت مکاتیب سے غیر مطمئن ہوگئی' کیونکہ طالب علم پڑھائی کے بعد اکثر اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے تھے اور دین کی کوئی زیادہ خدمت نہیں کرسکتے تھے۔ اس بات کا ذکر مولانا نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے بھی کیا ہے۔

۱۳۴۴ھ ر ۱۹۲۶ء میں مولانا دوسرے حج کے لئے گئے۔ حج کے بعد کچھ عرصہ مدینہ میں رہے۔ اس قیام کے دوران میں مولانا کو خواب میں امر ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ مولانا کے کچھ دن اس پریشانی میں گزرے کہ میں کمزور آدمی کیا کرسکوں گا۔ چنانچہ ۱۳۴۵ھ ر ۱۹۲۷ء میں حج سے واپسی کے بعد تبلیغی گشت کیا اور لوگوں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر اسلام کے اولین ارکان۔ کلمہ توحید اور نماز وغیرہ کی تبلیغ کریں۔ شروع شروع میں تو لوگوں میں کچھ حجاب رہا' بعد میں رفتہ رفتہ میواتی لوگ اس کام سے مانوس ہوئے اور میوات کے علاقے سے بہت سی تبلیغی جماعتیں باہر نکلنے کے لئے تیار ہوگئیں' مولانا کا خیال تھا کہ گھروں میں اور کاروبار میں رہ کر لوگ دین نہیں سیکھ سکتے۔ لہٰذا یہ کچھ عرصے کے لئے باہر رہیں' کچھ خود سیکھیں اور کچھ دوسروں کو سکھائیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب ان پڑھ میواتی گاؤں کے لوگ اہل دین کی خدمت میں رہ کر دین سیکھ کر آئے تو ان کی حالت ہی بدل گئی اور ان میں دین کا علم سیکھنے کا ذوق پیدا ہوگیا۔

مولانا کا اس کام کے بارے میں نقطہ نظر بہت بلند تھا۔ ان کے سامنے صرف اتنی سی بات نہ تھی کہ صرف عوام الناس نماز' روزہ سیکھ جائیں اور ذکر و اذکار کے پابند ہوجائیں بلکہ مولانا پوری ملت اسلامیہ کو بیدار کر کے' انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کو اسلامی بنانے کی فکر رکھتے تھے۔ خود مولانا کے الفاظ میں:

"ہماری اس تحریک کا اصل مقصد یہ ہے' اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کردینا۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی 'ا' 'ب' 'ت' ہے"

مولانا نے ۱۳۳۰ھ ر ۱۹۱۲ء میں نکاح کیا تھا۔ اولاد میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد یوسف اور ایک صاحبزادی تھی جو مولانا محمد زکریا سے بیاہی گئی۔

مولانا پست قد تھے۔ گندمی رنگ اور دبلا جسم تھا۔ داڑھی گھنی تھی۔ زبان میں قدرے لکنت' آواز پر جوش' طاقت ور اور عالی ہمت کہ تبلیغ کے سلسلے میں پہاڑیوں پر چڑھتے' تیز دھوپ اور گرم لو برداشت کرتے۔ مئی جون کی گرمی میں میوات کا دورہ کرتے۔ سخت سردیوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرتے۔

مولانا الیاس کو دیکھ کر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ کرامؓ یاد آجاتے ہیں۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۴۴ کو انتقال کیا۔

ماخوذ از اسلامی انسائیکلوپیڈیا

اور کچھ ذکر تونس کے صدر بن علی کا

تیونس کے صدر بن علی کے دل میں اپنے ملک کی اسلامی تحریک تو کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے لیکن یہودیوں کے لئے وہ آنکھیں فرش راہ کرتے ہیں۔ اس جولائی میں ان کی دو فوجی عدالتوں نے ۲۶۹ ایسے مسلمانوں کو تو حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں حبس دوام اور طویل قید کی سزائیں دیں جن کا تعلق مبینہ طور پر اسلامی جماعت النہضہ سے تھا لیکن ان تونسی یہودیوں کو رام کر کے فرانس میں اپنے لئے کوئی مقام حاصل کرنے کی کوشش میں وہ بہت آگے تک چلے گئے ہیں جو نقل مکانی کر کے فرانس میں جا بسے تھے۔ حال ہی میں انہوں نے فرانس کے چیف ربی (یہودی مذہبی پیشوا) جوزف سترک کو اپنے ہاں مدعو کر کے بہت پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کی سفارش پر دو تونسی یہودی قاتلوں کو معافی دے دی جنہیں مقامی عدالتیں موت کی سزا سنا چکی تھیں۔ انہوں نے چیف ربی سے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ یہودی تارکین وطن کو تونس میں ان کی متروکہ جائیدادیں واپس دلوا دی جائیں گی تاکہ وہ ان کے پیسے کھرے کرسکیں۔

ماخوذ از "ا میکٹ" لندن

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ہرگز کردم نہیں لینے دیتی، ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad®

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی-18- پاکستان- فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)